U5284. 7-12-09

Title - ADEEB.

Creator - Sayyed Amjad Ali Ashhari ; Murattiba Sayyed Manzar Ali

Publisher - Matba Institute (Aligarh).

Date - 1915

Pages - 72

Subjects - Urdu Sahafat - Adeeb ; Adeeb - Sahafat.

LIBRARY M. A. O. COLLEGE ALIGARH
No. ج ۱۴۰
Date

ادیب

از
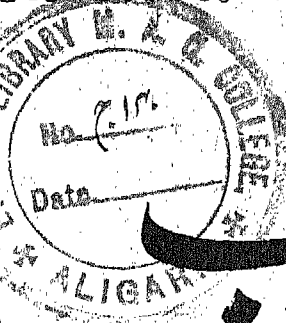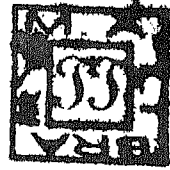
مولانا سید امجد علی صاحب اشہری مرحوم

جسے

مولوی سید منظر علی صاحب نے "ادیب" نام کے

فیروز آباد اور الہ آباد سے شایع ہونیوالے

دو مشہور رسالوں سے ترتیب دیا

اور

باہتمام محمد مقتدیٰ خان شروانی

مطبع انسٹی ٹیوٹ علی گڈھ میں ۱۹۱۵ طبع ہوا

بار اوّل ۵۰۰ جلد قیمت ۱۲

(سلسلۂ یادگار مولانا اشہری مرحوم نمبر ۲)

ادیب

(مولانا سید امجد علی صاحب اشہری مرحوم کے گیارہ مضامین کا مجموعہ)

جسے مولوی سید منظر علی صاحب نے اس نام کے فیروز آباد اور الہ آباد سے شائع ہونیوالے دو مشہور رسالوں سے ترتیب دیا

باہتمام محمد مقتدی خان شروانی

مطبع انسٹی ٹیوٹ واقع علی گڈھ میں طبع ہوا

بار اوّل ... پانسو جلد

سنہ ۱۹۱۵ء

سلسلۂ یادگار مولانا اشہری مرحوم

۱۔ دُرِ شاہوار۔ حضرت علیؓ مرتضیٰ کے دیوان بدیع البیان کا اُردو ترجمہ (از مشہری) قیمت ۸؍

۲۔ ہادیِ اسلام۔ جناب رسالت مآبؐ کی مختصر سوانح زندگانی (از مولانا اشہری) قیمت ۸؍

۳۔ گوہرِ آبدار۔ حضرت علیؓ مرتضیٰ کے متفرق کلام کا اُردو ترجمہ (از مولانا اشہری) قیمت ۱۲؍

پانچ سال کے اندر ہم ان تین کتابوں کو شائع کر سکے! یہ علم کی کساد بازاری نہیں ہے بلکہ زمانہ نے ہمیں اتنی ہی مہلت دی تھی، ورنہ تعلیم یافتہ اور علم دوست جماعت نے ہماری اُمید سے زیادہ ان کتابوں کی قدر فرمائی۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے سلسلہ کی یہ کتابیں نہ صرف ملک کے انتہائی گوشوں میں پہونچیں بلکہ انہوں نے دو طرف سمندر اور ایک جانب ہمالیہ سے پار ہو کر ممالک غیر تک رسائی حاصل کی۔

اس سلسلہ کے معاونین میں علیا حضرت نواب بیگم صاحبہ بھوپال، ہز ہائی نس نواب صاحب جاورہ، مرحوم نواب بہادر ڈھاکہ، نواب محمد اعظم خاں بہادر ڈھاکہ، اور آنریبل راجہ سید ابو جعفر صاحب (پیرپور) ہیں۔ ہم شکریہ کے ساتھ اس امر کا اعتراف اور اظہار کرتے ہیں کہ اگر علیا حضرت نواب بیگم صاحبہ بھوپال نے اس سلسلہ کی سرپرستی نہ فرمائی ہوتی تو ہم ابتک کبھی کے ہمت ہار چکے ہوتے۔

دُرِ شاہوار پندرہ سو کی تعداد میں دو مرتبہ طبع ہوئی۔ ہمارے ذخیرہ میں اب اس کتاب کا کوئی نسخہ باقی نہیں، البتہ "ڈپوٹی بک ڈپو مدرسۃ العلوم علی گڑھ" سے غالباً کوئی نسخہ ہاتھ آسکے گا۔ ہادیِ اسلام بھی ختم ہو چکی ہے۔ اگر آپ نے جلد فرمائش نہ کی تو "گوہر آبدار" بھی چند روز بعد شاید آپ تک نہ پہونچ سکے۔

کتابوں کے ملنے کا پتہ:۔ سید منظر علی

—— ہیونڈ ضلع اٹاوہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ حال

مولانا اشہری . . کے جادو نگار قلم کی گل کاریوں نے یوں تو تمام ہندوستان کو رشکِ گلزار بنا رکھا ہے مگر اس پرچہ (ادیب فیروز آباد) میں بالتخصیص اُن کے قلم کے نقش و نگار نے گلستان و بوستان کا عالم پیدا کر دیا ہے۔ ان . . کی انشا پردازی، شوکتِ الفاظ، عبارت کی شستگی، محاورات کی صفائی، استعارات کی لطافت نے ہندوستان میں اپنا خاص رنگ جما دیا ہے اور قبولیتِ عام کی سندیں حاصل کر لی ہیں۔ ان کی تحریریں جس پرچہ میں ہوں اُسے کون مفید اور کارآمد نہ کہے گا! (شفق ادیب فیروز آباد اکتوبر ۱۸۹۹ء)

مرحوم (مولانا اشہری) ابتدائے شباب سے آخر دم تک علم ادب کی خدمت کرتے رہے اور آن کے معجز نگار قلم نے اُردو نظم و نثر میں جو معتدبہ اضافہ کیا ہے اُس کی تصریح اس مختصر نوٹ میں ناممکن ہے۔ اُردو کے بلند پایہ اہل قلم میں جناب اشہری کا نام نامی تا دیر یادگار رہے گا۔ آن کے انتقال سے بزم اُردو کی ایک نورانی شمع گل ہو گئی اور دنیائے ادب سنسان نظر آتی ہے (اڈیٹر ادیب الہ آباد جون ۱۹۱۱ء)

۱۳۲۹ھ ہجری کی دوسری سہ ماہی میں جب مولانا اشہری صاحب مرحوم نے وفات پائی

تو اُن کے ہر طبقے کے قدردانوں اور ہر درجے کے دوستوں نے مجھ سے فرمایش کی کہ میں حضرت مرحوم کے غیر مطبوعہ کلام کو وقتاً فوقتاً شایع کرتا رہوں۔ مگر میرے محترم دوست آنریبل خواجہ غلام الثقلین صاحب کا ارشاد ان سے بالکل مختلف تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ میں مولانا اشہری صاحب کے مطبوعہ کلام کا ایک ایسا انتخاب پیش کروں جو مختلف اخبارو اور رسالوں سے جمع کیا گیا ہو۔ بالکل قدرتی بات تھی کہ میں اس ارشاد کی فوراً تعمیل کرتا مگر کچھ اسباب تھے جنھوں نے مجھے اب تک اس جانب متوجہ ہونے دیا تھا۔ سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ میرے پاس نہ تو اُن اخبارات و رسائل کے مجموعے موجود تھے جن سے مجھے "کلام اشہری" کا انتخاب منظور تھا اور نہ میں ایسا فارغ البال تھا کہ اپنا تمام وقت محض اس کام کے لئے دیدیتا۔ تاہم اب تک مجھ کم مایہ سے جو کچھ ہو سکا ہے وہ ایسا نہیں کہ میرے ناظرین اُسے نظر انداز فرمادیں۔

یہ بھی ایک اتفاق ہے کہ صوبہ متحدہ کے ایک ہی نام کے دو مشہور رسالوں کا مجموعہ مجھے دکن کے علم دوست گھروں میں نظر آیا اور ایک ہی جگہ مجھے ادیب فیروز آباد اور ادیب الہ آباد کی جلدیں مل گئیں۔ "ادیب" فیروز آباد صرف ایک سال تک صفحۂ کاغذ پر اپنی گلکاریاں دکھاتا رہا اور ۱۸۹۹ء کے خاتمہ پر اس شیرخوار بچے نے اپنی بارہویں سانس لی۔ یہ آخری دم تھا جو اس کے فاضل اڈیٹر مولوی سید اکبر علی صاحب کے قلم سے نکلا۔ مولوی صاحب اگرچہ اب بھی اس دنیا میں ہیں (اور خدا کرے تادیر رہیں) مگر "ادیب" کے بعد کچھ ایسے خاموش ہوئے کہ پھر ادبی دنیا میں آنے کو جی ہی نہ چاہا۔ اس رسالہ کے بارہ پرچوں میں مولانا اشہری صاحب مرحوم کے آٹھ مضامین (ایک نظم اور سات نثر)

طبع ہوتے۔

"ادیب" الہ آباد میں اس کے پیشرو کی سادگی کے بجائے زیادہ آب و تاب تھی اور اس میں جہاں دماغ سوز مضامین ہوتے تھے وہیں اس کے زمانہ شناس اڈیٹروں نے دل کی تفریح کا سامان بھی کیا تھا۔ ادیب الہ آباد کی ابتدا ۱۹۱۰ء میں ہوئی اور خاتمہ اس کے ڈیڑھ برس بعد، اور انڈین پریس کے تغیر پذیر مصالح نے اسے مختلف اڈیٹروں کے ہاتھوں میں رکھا۔ مکرمی منشی نوبت رائے صاحب نظر لکھنوی ادیب کے سب سے پہلے اڈیٹر تھے، بعد کو مجھی مسٹر پیارے لال صاحب تنا کر میرٹھی کا نمبر آیا اور سب سے آخر میں حضرت حسین عظیم آبادی کو اس کا چارزہ سپرد کیا گیا۔ جاننے والے جانتے ہیں کہ اگر یہ رسالہ ان میں سے کسی ایک کے ہاتھ میں رہتا تو بھی اپنی وہی آن بان قائم رکھتا۔ اس "ادیب" میں مولانا اشہری کے صرف تین مضمون (ایک نظم دو نثر) ۱۹۱۰ء میں شائع ہوئے۔ اس وقت کے اڈیٹر حضرت نظر تحریر فرماتے ہیں کہ "زیادہ افسوس ادیب کی قسمت پر ہے جس کے جاری ہونے پر سب سے بڑی داد مرحوم ہی کے قلم نے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ دی تھی اور باوجود پیرانہ سالی و انتشار طبیعت ادیب کی ضرورتوں کو محسوس کر کے خاص مضامین لکھنا شروع کئے تھے۔" مولانا اشہری صاحب کی زندگی وفا کرتی تو ادیب الہ آباد میں ان کے مضامین کی اس قدر کمی نہ نظر آتی۔

ان مضامین کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ میں نے ان میں سے بعض کی ترتیب بدل دی ہے اور ایسا نہیں کہ "نقل مطابق اصل" کے ہو۔ اس کے ساتھ ہی میں یہ عرض کرنے کے لئے پورے طور پر تیار ہوں کہ کوئی مضمون ایسا نہیں جس میں صاحب مضمون

کے مقصد کو فوت ہونے دیا ہو۔ زمانہ کے ساتھ انسان کی ضرورتیں اور اُس کے خیالات بدلتے رہتے ہیں۔ پس ہماری موجودہ یا آیندہ نسل کو اگر ان مضامین میں سے کسی کے ساتھ اختلاف ہو تو میں اُسے مجبور و معذور خیال کرونگا۔ مگر یہ کہونگا ؎

تا تواں گل در گریباں ریختن از ذکر خیر
خارِ پیراہن مشو آسودگانِ خاک را

آخر میں میں اپنے مکرم دوست مسٹر مانک راؤ وٹھل راؤ صاحب کا ممنون ہوں جنھوں نے ادیب کی جلدیں مہیا فرما کر میری مشکلات میں آسانی پیدا کی۔

سیّد منظر علی

حیدرآباد دکن یکم رمضان المبارک ۱۳۳۲ھ

خدا ہے اور ایک ہے[۱]

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ

عربی کی تصنیفات کا ذخیرہ الٰہیات اور معرفت کے متعلق وحی و الہام اور فلسفہ و حکمت سے مالا مال ہے، اور فارسی میں اس مذاق کو زیادہ تر تصوف کے لباس میں دکھایا گیا ہے۔ لیکن اردو کے کتب خانہ میں ابھی بہت کمی ہے خصوصاً روحانی خیالات کو نئے فلسفہ سے ثابت کرنے کی خاص ضرورت ہے۔ آنریبل سر سید احمد خاں مرحوم نے آفرینش عالم کے متعلق ایک نہایت فصیح و بلیغ مضمون فلسفیانہ مذاق میں لکھا ہے، جس میں وہ نیوٹن کی بنائی ہوئی سڑک کے کنارے کنارے چلتے ہوئے نظر آتے ہیں، اور ساری مخلوق کو وہ ایک موتیوں کی لڑی سے تشبیہ دیتے ہیں جس میں ایک مسلسل سلسلہ کے ساتھ ایک مخلوق سے دوسری مخلوق کی کڑی لگی ہوئی ہے اس سلسلہ کو وہ علت العلل تک پہونچاتے اور اسی علت العلل کو خدا مان کر مذہب اور فلسفہ دونوں کو راضی کر لیتے ہیں۔

میں آج وادی فطرت میں خدا کو ڈھونڈھنے نکلا ہوں کہ یہی مذاق آجکل عام پسند ہو رہا ہے جو لوگ الہامی مذہب کے قائل نہیں وہ کتابِ فطرت سے خدا کی ہستی کا اقرار و استنباط کرتے ہیں یہ عالمگیر کتاب تمام دنیا کو خدا کے ہونے کا کھلا ہوا ثبوت دیتی ہے۔ لاک صاحب کا قول ہے کہ "قانون فطرت میں انتظام جمہوری کے قواعد نمایاں طور سے مسلسل نظر آتے ہیں" لارڈ بیکن کا بیان ہے کہ "مذہب کا پہلا اصول عقلِ سلیم سے قائم ہوتا ہے" اس زمانہ میں بعض ملحد ایسے ہیں جو

[۱] مطبوعہ رسالہ ادیب فیروز آباد ضلع آگرہ بابت ماہ فروری سنہ ۱۸۹۹ء (جلد ۱ عدد ۲)

خدا کو نہیں مانتے لیکن درحقیقت انھیں صرف اس کے نام میں اعتراض ہے ورنہ اگر ہم اسی کو علت العلل اور فطرت وغیرہ سے تعبیر کریں جس کے سمجھنے میں نیچرل سائنس سپر انداختہ ہے تو وہ بسہولت اس خیال کو قبول کر لیتے ہیں۔ سر سید احمد خاں کہتے ہیں کہ "اگر نیچرل سائنس کے علت العلل کا نام خدا ہے تو اس سے انکار کرنے کی کوئی علمی دلیل اب تک ہمارے پاس نہیں صحیفۂ فطرت ہمارے ہاتھ میں ہے اور جو بات خدا کی نسبت ہمیں جاننی چاہیئے اس کا صاف صاف اظہار کر رہی ہے"

اس سوال کا جواب کہ خدا ہے، فطرت اس حیرت انگیز سلسلہ کی طرف اشارہ کر کے، جو نشو و نما کے حکیمانہ انتظام میں پائی جاتی ہے، علانیہ صداقت سے اس کا جواب دیتی ہے کہ خدا ہے اور ضرور ہے، اور اس کے منتظم حقیقی اور وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ ہونے میں شبہ نہیں۔

دنیا کو خواہ مہندس کی آنکھ سے دیکھو خواہ عالم علم طبقات الارض یا عالم علم نباتات کی نظر سے، خواہ بحیثیت عالم علم حیوانات یا عالم علم الٰہیات یا ایک طبیب اور حکیم کے اس پر نگاہ ڈالو خواہ ایک سیاح اور ملاح بن کر جنگلوں، پہاڑوں اور دریاؤں کی سیر کرو مگر ایک شے بھی ایسی نہ گذرے گی جو خدا کی روشنی کی جھلک تمہارے دل پر نہ ڈالے۔ تم ہر جگہ ایک صنعت و ترتیب اور اس کا خاص انتظام دیکھو گے، اور تم کو ہر قدم پر ایک بیدار مغز اور پائدار حکومت نظر آئیگی۔

خدا کی ہر چیز اس کی ہستی پر دلیل کامل ہے۔ آسمان، آفتاب، چاند، ستارے، زمین، درخت، پہاڑ، پتھر، دریا، چرند، پرند، بہائم، سباع، اور خود ہمارے اجسام و قلوب کے صنائع صنعت، انتظام اور حکمت کے ایسے عجیب اور یقینی سبقوں سے معمور ہیں جن کو ہر متنفس پڑھ سکتا اور سمجھ سکتا ہے۔ کیا یہ عالم آپ ہی آپ اس انتظام سے چل رہا ہے؟ ہرگز نہیں ہمارے اوپر اور ارد گرد ایسے ایسے عظیم طبقات، اتنے بڑے کرہ جات سے معمور ہیں جن کے مقابلہ میں ہماری زمین ایک ذرۂ ریگ کے برابر خیال کی جا سکتی ہے۔ علم ہیئت سے اب تک

دو کروڑ تک ستارے دریافت ہوئے ہیں، اس سے زیادہ شمار نہیں کر سکتا۔ نیبولس کلسٹر اس قدر فاصلہ پر ہیں کہ لاکھوں برس میں اُن کی روشنی زمین تک پہونچتی ہے۔ جو ثوابت ہمارے نہایت ہی قریب ہیں اُن کا فاصلہ ہم سے دو کروڑ میل تخمینہ کیا گیا ہے، تو کیا ہم اس وسعت کا اندازہ کر سکتے ہیں ؟۔

یہ تمام مکاشفات جو بیان ہوئے ایک فلک سے تعلق رکھتے ہیں اور علم کے قیاس میں اور بے شمار افلاک ہیں جن کی روشنی ہم تک نہیں پہونچتی اور اس لئے وہ ہماری نظروں سے پوشیدہ ہیں۔ پس اس پر سوچ لو کہ عالم کا کس قدر وسیع حصہ ابھی ایسا باقی ہے جس کی علم تحقیقات نہیں کر سکا اور کوئی انسانی طاقت یا ایجاد اُس کا صحیح تصور قائم نہیں کر سکتی۔

ہم برقی ایجادوں کی تیز رفتاری کو دیکھ کر حیران ہوتے ہیں لیکن اجرام سماوی کی تیز رفتاری سے اُن کو کوئی نسبت نہیں۔ مشتری جو زمین سے چودہ سو مرتبہ بڑا ہے فی گھنٹہ ۲۹ ہزار میل کے حساب سے آفتاب کے گرد حرکت کرتا ہے، زمین ایک گھنٹے میں ۶۸ ہزار میل اور عطارد کا ایک لاکھ سات ہزار میل کا دورہ ہوتا ہے۔ دُمدار ستیارے ایسے سریع السیر ہیں کہ اُن کی رفتار کا اندازہ کرنا ہی مشکل ہے، چنانچہ اُن میں سے بعض ایک گھنٹے میں نو لاکھ میل کا چکر لگا ڈالتے ہیں۔ آفتاب عالمتاب ہم کو سب سے زیادہ روشن اور بڑا نظر آتا ہے لیکن بعض ستارے اس سے سیکڑوں مرتبہ زیادہ بڑے اور روشن ہیں جو ہم سے بے حساب فاصلہ کی دوری رکھتے ہیں۔ پس کیا انسانی فہم و ادراک کی طاقت ہے کہ ان امور کی حقیقت کو پہونچ سکے ؟

ہم پر از روئے علم ہیئت یہ بات صحیح طور پر ثابت ہو چکی ہے کہ باوجود اس بے اندازہ وسعت اور بجلی سے زیادہ تیز رفتاری کے، اُن اجرام کی رفتار میں کوئی بے قاعدگی یا بدنظمی ظہور میں نہیں آتی۔ ہر ایک جسم سلامت روی اور خوش اسلوبی سے اپنا کام انجام دے رہا ہے۔ اس کا جواب اس قدر دیا جاتا ہے کہ یہ سب کام کشش ثقل سے ہو رہا ہے۔ لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ خود یہ قوت کیا ہے اور کس نے پیدا کی ہے، اور با قاعدہ طور سے کیونکر عمل کر رہی ہے ؟ اب اگر ہم سے

دریافت کیا جائے کہ ان طاقتوں کا پیدا کرنا اور سب کو سادھ کر رکھنا ایک ادر سب سے اعلیٰ اور زبردست طاقت کا کام ہے تو ہم چپ ہو رہینگے اور کہینگے کہ حجت تمام ہوئی۔ پس وہی ہمارا خدا ہے جس سے سب طاقتیں پیدا اور جس کے تحت میں سب طاقتیں اپنا اپنا کام کر رہی ہیں۔

اب ہم زمین کی طرف اپنا خیال رجوع کرتے ہیں جو نمایاں طور پر مظاہر قدرت سے معمور ہے۔ اور ہم کو اُس کے دیکھنے سے قدرت کی سچائی پر علم الیقین، حق الیقین اور عین الیقین تینوں درجہ کے یقین حاصل ہیں۔ ایک ذی شعور علت اولی کے ثبوت اس میں بکثرت پائے جاتے ہیں، کیونکہ ہر ایک چیز جو ہمارے سامنے آتی ہے ایک ترتیب و انتظام ظاہر کرتی ہے۔ صرف انسان کے جسم اور اُس کو بھی جانے دو صرف اُس کی آنکھ کی بناوٹ ہی پر غور کرو تو کوئی صنعت اُس کے برابر نظر نہ آئیگی۔ انسانی ڈھانچہ کی ہڈیوں، رگوں، پٹھوں، گوشت پوست کو دیکھو کہ یہ کیسے لاثانی حکیم اور مھندس کی کاریگری ہے، اور اُس کی پیدائش میں کہاں تک خدا کی بے مثل صنعت اور قدرت کا اظہار ہوتا ہے۔

ریت کا ایک ذرہ ہزارہا چمکیلے ذرّوں سے مرکب ہے تو خیال کرو کہ زمین کے پہاڑوں میں یہ کتنے ہونگے۔ پانی کے ایک قطرہ میں لاکھوں جانیں پائی جاتی ہیں، ذرا خیال تو کرو کہ اس حساب سے بحرِ ذخار میں کتنی جانیں ہونگی۔ کیا اس پر بھی کوئی آدمی عقلاً یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ ان تمام بے شمار عجائبات کا کوئی بنانے والا یا چلانے والا نہیں ہے، یہ سب اتفاق سے وجود میں آگئے ہیں اور اتفاق ہی سے قائم ہیں؟

اگر آدمی صرف اپنے آپ میں غور کرے تو خود کو تمام مظاہر قدرت کا مجموعی نمونہ پائے گا۔

عالم میں ہے کیا جو نہیں موجود بشر میں
جو تخم میں مجمل ہے مفصل ہے شجر میں

انسان کے بدن میں جو روح ہے، جس سے وہ چلتا پھرتا، بولتا چالتا، جانتا پہچانتا، سوچتا سمجھتا ہے اسے خود صانع حقیقی کی بے مثل قدرت اور اس کی ہستی کا یقین ہوتا ہے، جس کو کوئی انسانی طاقت پیدا نہیں کر سکتی۔ اس کا سمجھنا اس کے فہم و ادراک سے باہر ہے۔

خلاف و اختلاف[۱]

شکلِ ہستی و عدم، آئینہ دکھلاتا ہے
کہ اِدھر سب نظر آتا ہے اُدھر کچھ بھی نہیں

ایک تصویر کے دو رُخ ہیں :- ایک اتفاق، دوسرا اختلاف۔ یہاں اتفاق اور اختلاف کو موالفت اور مخالفت کے معنی میں نہ سمجھیے گا؛ کیونکہ موالفت کے معنی ہیں محبت اور مخالفت کے معنی ہیں دشمنی، بلکہ اتفاق کے معنی بایک دگر متفق شدن و بر کارے عہد بستن کے خیال کیجیے گا۔ اسی طرح اختلاف کے معنی یہ سمجھیے گا کہ بکر ایک بات کو اپنے نزدیک اچھا اور سچا سمجھ رہا ہے اور خالد اپنے نزدیک اس کو اچھا اور سچا نہیں سمجھتا۔ یہ اختلاف ہے نہ کہ مخالفت۔ اس کے بعد جب آپ غور کرینگے تو معلوم ہوگا کہ کسی زمانہ میں مسلمانوں کا اتفاق کجا اُن کے اختلاف کا وہ درجہ تھا جو آج ہمارے اتفاق کو نصیب نہیں اور ہمارے اتفاق نے جو کام کیے وہ کبھی تاثیر سے خالی نہیں رہے۔

یہاں مجھے صرف لفظ خلاف و اختلاف سے بحث ہے۔ ہم کو یہ بات سمجھ لینی کی ہے کہ خلاف کس جگہ مستعمل ہونا چاہیے۔ قرآن مجید میں خدا اور آدم کے خلاف اور آدم کی خلافت سے نہایت عجیب رموز معنوی کا انکشاف ہوتا ہے اور کئی مقام کی آیات سے اسرار خلافت کا پتہ چلتا ہے۔ اس کے بعد پیغمبر اسلام کے جانشین خلفا کا خلیفہ کے لقب سے ملقب ہونا اور پھر اس منصب کا شاہی لباس میں آنا اشتقاق لغویہ میں کئی طرح پر اپنے معنی میں وسعت ظاہر کرتا ہے جو

---

[۱] مطبوعہ ادیب فیروزآباد ضلع آگرہ بابت ماہ مارچ ۱۸۹۹ء (جلد ۱ نمبر ۳) اس مضمون کا عنوان "ندوۃ العلماء لکھنؤ اور یونیورسٹی علی گڑھ" تھا مگر میں نے سُرخی بدل دی اور موجودہ ضرورتوں کا لحاظ کرکے مضمون کا اقتباس کرلیا۔۱۲

سید مظفر علی

بتدریج مخالفت کا مترادف بنتا ہوا پایا جاتا ہے، یہاں تک کہ موجودہ زمانہ خلاف کو مخالفت کے معنی میں سمجھ رہا ہے۔ اور خلاف کی آزادی، سچائی، نیک نیتی اور حق کوشی سے اتنا ہی دور جا پڑا ہے جتنا پہلے خلاف مخالفت سے دور تھا۔ علمائے اسلام اور ائمہ علیہم السلام نے لڑنے جھگڑنے کو ہمیشہ بُرا کہا اور اُس سے اجتناب کیا ہے، اور اُس کو کاموں کی خرابی اور مذہب کی تباہی کی جڑ بتایا ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا قول ہے:۔

"دین میں جھگڑا کرنے سے بچو کیونکہ وہ دل کو کام کی باتوں سے باز رکھتا اور نفاق پیدا کرتا ہے۔"

ایک موقع پر کسی عالم نے کیا خوب کہا ہے:۔

"خدا کو جب کسی قوم کی بربادی منظور ہوتی ہے تو اُن پر جھگڑے کے دروازے کھول دیتا ہے اور کام سے باز رکھتا ہے۔"

سچ یہ ہے کہ اُس وقت کی حق پرستیاں اس زمانہ پر ختم ہو گئیں۔ اب یہ معما چودھویں صدی میں حل ہونا دشوار ہے۔ ان کے حل کرنے والے وہی بزرگ تھے جن کی قوت ایمانی نے اُن کے قلوب کو تعصب سے پاک اور سچائی کا شیدا بنا دیا تھا۔ اب ایک صوفی منش ارباب شریعت پر ٹھٹھا کرتا ہے، ایک مقلد غیر مقلد کو لامذہب ٹھیراتا ہے، ایک غیر مقلد کو مقلد کی دوستی گوارا نہیں، کسی جلسہ میں کوئی شیعہ عالم آجاوے تو ساری مجلس مورد طعن ہو رہی ہے۔ ایک خدا کے بندے، ایک رسول کی اُمت، ایک قرآن کے ماننے والے چھوٹی چھوٹی باتوں کو غیر متوقع طور سے بڑھانے اور خلاف مصلحت جھگڑے پیدا کرنے سے اپنے مذہب پر اغیار کو استہزا کا موقع دے رہے ہیں۔ علمائے اسلام جو ہمارے عالی شان ایوان مذہب کے ستون ہیں جب وہی متفقہ طاقت سے ساری عمارت کے بوجھ کو سادھنا نہ چاہیں تو وہ ہزار ستون کی عمارت دو چار اڑنگوں سے کیا سنبھل سکتی ہے۔

اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ ہمارے علما کو ایک نیا عروج حاصل ہو سکتا اور مذہب

دوسروں کے دست بُرد سے بچ سکتا ہے۔ لیکن اگر اُن کے خلاف نے مخالفتوں کے درجہ میں ایسی ہی خود رائی، لاف زنی اور استغنا و بے پروائی سے کام لیا تو اس طوفان خیز دریا میں کشتی، راکب اور ملاح سب کے سب خدانخواستہ امواجِ حوادث کی نذر ہیں۔

نیچرل حالتوں کا فوٹو[1]

آسمانی تھیٹر میں تم نے صبح کو شبنمی پردہ گرتے دیکھا ہو گا کہ نیچر کے ایکٹر نے کرۂ ارض کے اسٹیج پر صبح کا سین دکھلانے کو کس عجیب طریق سے رات کا پردہ ہٹایا اور صبح کا جلوہ دکھایا ہے۔ جو تارے تمام رات جگمگاتے رہے وہ کس طرح جھلملا جھلملا کر چھپ رہے ہیں اور چاند کا قدرتی لیمپ جو ابھی روشن تھا کس صفائی کے ساتھ تمہارے سامنے سے بڑھایا اور صبح کا سین کس دلچسپی سے تم کو دکھایا گیا ہے میر انیس ؎

وہ صبح اور وہ چھاؤں ستاروں کی اور وہ نور ۔۔ دیکھے تو غش کرے ارنی گوئے اوج طور
پیدا گلوں سے قدرت اللہ کا ظہور ۔۔ وہ جا بجا درختوں پہ تسبیح خوان طیور

گلشن خجل تھے وادیٔ مینو اساس سے
جنگل تھا سب بسا ہوا پھولوں کی باس سے

اسی سہانے وقت کی نسبت کیفی (راٹاوی) اپنی ایک نظم میں یوں اُس کا فوٹو کھینچتے ہیں ؎

ڈوبے جاتے ہیں نجوم اور چرلتے ہیں نظر ۔۔ آمدِ مہرِ جہانتاب کی ہے گرم خبر
رات بھر مست مئے عیش تھے اب آنکھ کھلی ۔۔ خوابِ راحت سے اٹھے ماہ جبیں رشکِ قمر
دل لبھاتے ہیں نسیم سحری کے جھونکے ۔۔ عطر میں ڈوبی ہوئی پھرتی ہے بوئے گلِ تر
وہ نظر آنے لگا جلوۂ صبح صادق ۔۔ عالم افروز ہوا چہرۂ زیبائے سحر

ابھی تم صبح کی سہانی سینری دیکھ رہے ہو اور آسمان سے زمین تک ایک نورانی حالت کو دیکھکر محوِ تماشا ہو کہ آنکھ جھپکتے ہی صبح کا پردہ ہٹا اور ایک نگار آتشیں عذار تخت زرنگار

[1] مطبوعہ ادیب فیروزآباد ضلع آگرہ بابت ماہ اپریل ۱۸۹۹ء (جلد ۱ عـ۴)

پر جلوہ افروز نظر آنے لگا۔ میرزا غالب

صبحدم دروازۂ خاور کھلا   مہر عالمتاب کا منظر کھلا
دیکھتے ہی دیکھتے آیا نظر   اک نگار آتشیں رخ سر کھلا

پھر تو تم نے چار پہر اس تماشے کا لطف اٹھایا۔ تمام دن ہر طرف چہل پہل رہی۔ چرند پرند وحوش وطیور، انسان وحیوان کی حالتوں کا مشاہدہ کیا اور اعلیحضرت شاہِ جہاں پناہ کو دن بھر اجلاس فرمایا۔ اشہری

بچھا ہے تخت طاؤسی خدیو فیض گستر کا ؛ جہاں میں ہو رہا اجلاس ہے سلطانِ خاور کا
موالید ثلاثہ پر رواں ہے حکم سلطانی ؛ عناصر کر رہے ہیں کام شاہِ ہفت کشور کا
جسے شب کہہ رہے ہو ایک ابرہ ہے دُلائی کا ؛ جسے دن کہہ رہے ہو ایک رخ ہے اسکی چادر کا

اس کے بعد خورشیدِ عالمتاب کے روئے تابناک پر گیسوئے شام کا پردہ گرا اور جیسے دفعتاً رات سے صبح نے سر نکالا تھا ویسے ہی دن سے شام کی صورت نمایاں ہوئی، یا یوں کہیے کہ صبح صادق کا پردہ جو ہلکے کافوری رنگ سے رنگا ہوا تھا وہ دن کے شہاب میں ڈوب دینے سے گلنار بنا اور شام کے ہاتھ میں نیل دیئے جانے سے اودا ہو کر سویدائے شب کی سیاہی سے دیکھتے دیکھتے سیاہ نظر آنے لگا۔ تھیٹر میں رات کا سین دکھانے کو نئے سامان ہونے لگے۔ آسمان کے بے چوبے میں ستاروں کی قندیلیں نورانی تاروں کے ذریعہ سے برقی روشنی کی طرح طرفۃ العین میں روشن ہو کر جگمگانے لگیں اور ایک طرف قرینہ سے لاکھوں بتی کی روشنی کا لیمپ جس سے سارے تماشاگاہ کو روشنی پہونچے لگا کر رات کے کھیل دکھائے جانے لگے۔ امیر مینائی

شب کیا کہ جہاں کا بخت فیروز   عالم کا خلاصہ دل افروز
نامحرموں سے چھپائے چہرہ   پروین کو بنائے منہ کا سہرہ
سناٹے کا دم انیس و ہمدم   انفاس ہوا رفیق و محرم

آنا کھلتا ہوا نہ جانا ؛ انداز خرام صوفیانہ

خدا نے انسان اور حیوان کے لئے رات کو کیسا بکار آمد بنایا اور اس ظلماتی پردہ میں
کس ندرت سے تماشائے قدرت دکھایا ہے کہ اُس سے سب کو دلچسپی اور تمام دنیا کو وابستگی
ہے۔ چرند اپنے مسکنوں میں آرام پذیر ہیں، پرند اپنے مامنوں میں گوشہ گزیں ہیں سباعُ
بہائم درختوں کے سایہ اور پہاڑوں کے بھٹوں میں پڑے اینڈ رہے ہیں۔ حضرت انسان
اپنے قصر و ایوان، حجرہ و دالان اور صحن و مکان یا صحرا و گلستان میں رات کے مزے
اُٹھا رہے ہیں۔ گھر کے مردوں نے کھا پی کر خود کو مسہریوں اور پلنگوں پر دراز کیا ہے۔ بیبیاں
اپنی اپنی پلنگڑیوں پر آرام کر رہی ہیں۔ نوکر چاکر، چھوکریاں، باندیاں اپنے بچھونوں پر خرّاٹے
لے رہی ہیں۔ بچے ماؤں سے چمٹے خواب راحت میں ہیں۔ دن بھر کے تھکے ماندے جوان
مست الست ہو کر پڑے ہیں۔ جو بڑے بوڑھے قبر میں پاؤں لٹکائے ہیں اُن کو بھی رات کی
جانفزا نیند نے موت کے خوف سے بے خبر کر دیا ہے۔ جو ہوا دن کو غبار آلود تھی رات کو
صاف ہو گئی ہے، اور ہوائے صافی کی ہلکی ہلکی سنک اور دھیمے دھیمے جھکورے سوتے ہوؤں
کے دماغ میں پہونچکر سونے والوں کو تھپکیاں دے دے کر سُلا رہے ہیں۔ دریا کی موجیں
جو تمام دن دریا کے کناروں سے سر پٹکتی رہی ہیں وہ بے چینی اور بیتابی ظاہر نہیں کرتیں
طائران گلشن جو دن بھر چہچہہ انگیز رہے اپنے اپنے آشیانوں کے اندر پروں میں سر دالے
آرام کی نیندیں لے رہے ہیں۔ عاشقانِ حسرت زدہ آج کی مایوسی کو کل کی آرزو سے تسکین
دے کر دل کو ڈھارس بندھا رہے ہیں۔ نیند کے جھونکے اُن کے کانوں میں کہہ رہے ہیں
کہ تم سوؤ تو سہی، تم نے ذرا آنکھ بند کی اور وہی صورت خواب میں آموجود ہوئی۔ وہ اپنی نیند
کو اس لئے اور بھی قابل قدر سمجھ رہے ہیں کہ جس صورت کے شیفتہ ہیں اُسے شاید خواب
میں دیکھ لیں، اور اس خیال میں اُن کی آنکھ لگ گئی ہے ؎ میر

سرہانے میر کے آہستہ بولو ؛ ابھی ٹک روتے روتے سو گیا ہے

کوئی پُرارمان اپنے ذہن میں کہہ رہا ہے ؎

کب تک حکایتِ قلق و اضطرارِ دل　　دردِ غمِ فراق کی تکرار تا کجا
تا چند نارسائیِ تقدیر کا گلہ　　خوابیدگیِ بخت کا اظہار تا کجا
اختر شماریِ شبِ دیجور کس قدر　　فریاد و زاریِ دلِ افگار تا کجا
کب تک بیانِ حسرتِ تنہائیِ مکاں　　وحشت طرازیِ در و دیوار تا کجا

معشوقانِ ادا فروش مسہریوں اور پلنگڑیوں پر صرفِ ناز یا محوِ خواب ہیں۔ جو صورتیں دن کو بے رونق نظر آتی تھیں وہ رات کو چمک اُٹھی ہیں۔ جو نقشے دن کو بھیانک معلوم ہوتے تھے اُن میں رات کو بھیناپن آگیا ہے۔ رات کی رنگینیاں دن کی رنگینیوں سے زیادہ دلکش معلوم ہوتی ہیں۔ مشرقی جلسوں اور مغربی تھیٹروں میں محبوب صورتیں طرح طرح کی دلربائی پیدا کر رہی ہیں۔ مغربی پوڈر نے کالی صورتوں پر بھی ایک نئے حسن کا ملمّع لگا دیا ہے۔ محفلوں میں فانوسوں کے اندر کافوری شمعیں روشن ہیں اور دیکھنے والے کہہ رہے ہیں ؎

دیکھیں وہ اچھے ہیں یا شمع ہے اُن سے اچھی
حال کھل جائے گا دونوں کا سحر ہونے تک

عابدانِ شب زندہ دار حجروں میں خلوت کے مزے لے رہے ہیں۔ زہاد کے دماغ گوشۂ خلوت میں سلطان الاذکار (اجپا جاپ) کے شغل سے منوّر ہو رہے ہیں۔ ایک جانب معرفت کے شیفتہ مزے لے لے کر یہ شعر پڑھ رہے ہیں ؎

یارب وہ ذوق دے کہ ترے مستِ معرفت
مستی بغیر بادہ و جام و سبو کریں

دوسری طرف تصوّف کے فریفتہ اس شعر کے معنی پر غش ہیں ؎

حرم و دیر میں ہے جلوۂ پُرفن اُن کا
دو گھروں کا ہے چراغ اک رُخِ روشن اُن کا

ارباب حال پر صادق (اٹاوی) کی اس غزل کو سُنکر وجد کا عالم ہے ؎

ابر ست ولالہ روئے در بزم جلوہ آرا گیرید جام و مینا یا ایہا السکارا

آن شوخ نامسلمان مستانہ چوں خرامد در صومعہ برآرد پیران پارسا را

عشقِ رخِ تو اے جاں نتواں نہفت در دل آتش چو خانہ سوزد خواہد شد آشکارا

چوروں کو رات کی محرمیت پر دن سے زیادہ بھروسہ ہے۔ خدا کی ستاری اور رات کی پردہ داری کہہ رہی ہے "کمبختو! یہ ڈھٹائی اچھی نہیں" پولیس گشت میں ہے۔ چوکیدار پکار رہے ہیں" جاگتے رہو" لیکن یہ آواز برطانیہ کے ایسے انتظام اور حکام کی اس بیدار مغزی پر ایک شرمناک آوازہ ہے۔ ان کو یوں کہنا چاہئے "سوتے رہو" بہرحال ہر جگہ رات میں ایک لطف ہے اور اس لطف میں ایک مزہ۔ کہیں قصہ ہو رہا ہے، کہیں ناول پڑھے جا رہے ہیں۔ دلگداز دل کی چربی پگھلائے دیتا ہے۔ جعفر و عباسہ کے حالات میں ٹریجڈی اور کامیڈی کہیں دل میں درد پیدا کرتی ہے اور کہیں درد کی دوا بنتی ہے۔ کسی دل میں اودھ پنچ کی پچھلی طبع آرائیاں اور کہیں حضرت ریاض کی خوشنوائیاں چٹکی لے رہی ہیں ؎

دامانِ نگہ تنگ و گلِ حسنِ تو بسیار
گلچینِ بہارِ تو ز داماں گلہ دارد

کہیں تیرہویں صدی، زمانہ، تہذیب الاخلاق اور حسن کے اوراق دیدہ و دل کو روشن کر رہے ہیں کوئی مولوی نذیر احمد کی عالمانہ ظرافت کے مزے لے رہا ہے۔ کسی کو مولوی ذکاء اللہ کی سائنس سے دلچسپی ہے۔ کوئی شبلی و حالی کی تصنیفات سے فیضیاب ہے۔ رئیسوں اور امیروں کے دروازوں پر آدھی رات کی نوبتیں بج رہی ہیں اور شہنا نواز دھیمے سروں میں یہ غزل گا رہے ہیں ؎ ذوق

بازیچۂ اطفال ہے دنیا مرے آگے ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے

اک کھیل ہے اورنگِ سلیماں مرے نزدیک ،، اک بات ہے اعجاز مسیحا مرے آگے
ایماں مجھے روکے ہے کھینچے ہے مجھے کفر ،، کعبہ مرے پیچھے ہے کلیسا مرے آگے

آنریبل سید محمود شام سے لائف کی تعریف میں ایک ایسا فقرہ سوچ رہے ہیں جس میں اب سے قیامت تک کے معنی نکل سکیں۔ نواب محسن الملک بہادر کو یونیورسٹی کی دھن میں بارہ[12] کا گجر آٹھ کا گجر معلوم ہو رہا ہے۔ بہر حال رات کی دلچسپیوں کا ہر شخص نظارہ کر رہا اور اُس کے مزے اُٹھا رہا ہے۔ اس میں ایک طلسمی کیفیت نامعلوم طریق سے آنکھوں میں ہو کر دماغ کے حجرے میں داخل ہوتی ہے۔ آنکھوں کے دروازے بند ہو جاتے ہیں اور وہ فضائے دماغ میں اٹھکھیلیاں کرتی ہوئی وہیں مچل جاتی ہے۔ اُس سے ہم بقیہ رات کے لئے ایسا مزا اٹھاتے ہیں کہ دوسری شئے سے ممکن نہیں۔ اس سے مراد ہماری نیند ہے، جو ہمارے تھکے ہوئے جسموں کو آرام دیتی ہے اور جبتک ہم سوئیں دنیا کے رنج و غم پاس نہیں آنے دیتی۔ بیماریوں کے دفع کرنے اور روح کے آرام دینے کے لئے وہ عجیب نوشدارو ہے۔

ہماری زبان[۱]

زبان سلطنتِ جسمانی کی وزیر اور بیان حکومتِ روحانی کا سفیر ہے۔ زبان دیکھنے میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے، جو طرح طرح سے اپنی فطری جنبشوں کو کام میں لاتی اور بولنے کے لئے طرح طرح کے حرف بنا کر قسم قسم کی آوازیں نکالتی ہے۔ یہ آوازیں فضائے دہن میں مختلف طور پر اُس کے پھرنے اور ایک قوّتِ ارادی کے ہوا میں ٹکر لگنے سے پیدا ہوتی ہیں۔ زبان جذباتِ باطنی اور قوّتِ ارادی سے متحرک ہوتی ہے، اور وہ جذبات و عزائم حنجرہ اور شرائین کے راستوں سے اُس میں کافی بات کرنے، سیٹی بجانے، طبلہ کی سی آواز پیدا کرنے کا ذریعہ ہوتی ہے۔ بعض الفاظ ہونٹوں کے کُھلنے اور بند ہونے سے بھی ادا ہوتے ہیں جیسے پاپا۔ اور بغیر زبان کے فضائے دہن میں آواز کے گونجنے سے بھی چند استفہامی علامتیں غوں غاں، ہوں ہاں کی پیدا ہوتی ہیں۔ لوچ لچک لہجہ زبان کا خاص حُسن ہے اور زبان کی ساخت کو بھی ان صفات کے پیدا کرنے میں ایک خاص تعلق ہے۔ عورت کی زبان مرد کی زبان سے زیادہ ملایم اور شیریں ہوتی ہے۔ جو چیزیں موجودات میں ہیں سب زبان کے تصرف میں ہیں، بلکہ زبان معدومات سے بھی بحث و حکایت کرتی ہے۔

حکیم اصغر حسین صاحب فرّخ آبادی تشریحِ اعضائے انسانی کے متعلق لکھتے ہیں کہ "کوئی جزوِ بدن مثل زبان کے ہر شئے پر محیط نہیں"۔ مسلمانوں کی آسمانی کتاب میں ہے "خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ" یعنی "ہم نے آدمی کو بنایا اور اُس کو بات کرنا سکھایا"۔ گویا یہ صفتِ گویائی اُس کی قدرتِ آفرینش کی ایسی عجیب صفت ہے جس پر صانعِ حقیقی ناز کرتا ہے۔

---

[۱] مطبوعہ ادیب فیروز آباد ضلع آگرہ بابت ماہ جولائی ۱۸۹۹ء (جلد ۱ ؎)

مسلمانوں کے پیغمبر کا ارشاد ہے "انا افصح العرب والعجم" یعنی "میں عرب و عجم سے زیادہ فصیح ہوں"، پارسیوں کے پیغمبر زردشت کے اقوال میں ہے کہ "زبان معجزۂ قدرت ہے" ہندوؤں کا وید زبان کو برہما کے خزانوں کی کنجی بتاتا ہے۔ حکیم لقمان اپنی مجالسِ وعظ میں اکثر زبان کے فضائل و رزائل بیان کیا کرتے تھے۔ جرمن کے ایک حکیم نے ایک پوری کتاب زبان کی بے مثل طاقتوں پر لکھی ہے اور ثابت کیا ہے کہ کوئی طاقت اس سے لگا نہیں کھا سکتی تمام حکمائے یورپ زبان کی طاقت کو تلوار کی طاقت سے زیادہ مانتے ہیں۔

زبان کی نسبت حکما کا فیصلہ ہے کہ یہ دفینۂ معلومات اور خزینۂ محسوسات کی کنجی ہے زبان کی طاقت نے بزم اور رزم میں رجز اور خطبات یا اسپیچ اور لکچروں کے ذریعہ سے مختلف ممالک اور مذاہب میں وہ فتوحات حاصل کئے ہیں جو بڑی سے بڑی لڑائی اور زیادہ سے زیادہ خرچ کہ ہونا دشوار تھا۔ زبان کے موثرات بالخاصہ ذوکیفیتین ہیں، یعنی زبان زخم شمشیر سے زیادہ گھاؤ بھی پیدا کر سکتی ہے اور مرہم و مومیائی کی طرح زخموں کا علاج بھی ہے۔ واشنگٹن کے حال میں ہے کہ وہ جب تک اپنی زبان کو درست نہ کر سکا اُس کی تصنیف کی عزت نہوئی۔ نپولین کو زباندانی اور تہذیبِ زبان کا بڑا خیال رہتا تھا۔ لارڈ ڈفرن کا خیال ہے کہ "میری زبان کی ہوشیاری نے مجھے اس مرتبۂ عالی پر پہنچایا"۔ ڈاکٹر جانسن سے اگر کوئی بری بات نکل جاتی تو وہ اپنی زبان کو سزا دیتا۔ حکیم نصیر الدین طوسی زبان کی فلاسفی کو اسرارِ حکمت کے عجائبات میں بتاتا ہے۔ سالومن کا قول ہے کہ "عقلمند کا مُنہ اس کے دل میں ہے اور بیوقوف کا دل اُس کے مُنہ میں" فیثا غورث کہتا ہے کہ "خاموش رہو یا ایسی بات کہو جو خاموشی سے بہتر ہو"۔ ارسطو کے نکات میں ہے کہ ایک شخص بات کرنے سے شرمندہ ہو سکتا ہے لیکن چپ رہنے سے بات نہیں بگڑ سکتی"۔ ڈاکٹر گال کہتے ہیں کہ "زبان دماغ کی تمام طاقتوں کے پڑوس میں رہتی ہے اسلئے وہ تھوڑے سے غور میں دانشمندی کا بڑا حصہ حاصل کر سکتی ہے"۔

پروفیسر ڈانگ کی تحقیق کے موافق (جس کی شمس العلما مولوی سید علی بلگرامی تصدیق

کرتے ہیں) تمام دنیا میں تین ہزار سے لیکر چار ہزار تک زبانیں بولی جاتی ہیں۔ لیکن حقیقت میں زبان اُسی کو کہنا چاہیے جس میں قواعد صرف و نحو مدون ہوں، نظم و نثر میں کلام کیا جاتا ہو، تصنیف و ترجمہ کی جامعیت اور قابلیت رکھتی ہو۔

ریاضت[1]

ادبائے عجم کہتے ہیں کہ سخن گوئی سے سخن فہمی زیادہ مشکل ہے اور بیشک ایک معمولی بات میں غور کرنے سے بڑی بڑی باریکیاں معلوم ہوتی ہیں۔ بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ اچھے خیالات کسی طرح بیان کر دیئے جائیں وہ اچھے ہی ثابت ہونگے۔ میں کہتا ہوں کہ اچھے خیال کے لئے اچھا مقال ہونا شرط ہے۔ قرآن کا سارا معجزہ اُس کی فصاحت ہے۔ حافظ کے دیوان، سعدی کی گلستان، فیضی کی نلدمن اور فردوسی کے شاہنامہ کو جو بات سیکڑوں برس سے نازِ سخن بنائے ہوئے ہے وہ اُن کا طرزِ مقال ہے۔ اخوان الصفا اور انوارِ سہیلی میں سیکڑوں مکھی مکڑی اور لومڑی خرگوش اس طرح بول رہے ہیں کہ بڑے بڑے فلسفیوں کے کان اُدھر لگے ہوئے ہیں۔ اُردو میں میر حسن کی مثنوی، میر امن کی چار درویش کو اُن کا حسنِ مقال شمعِ انجمن بنائے ہوئے ہے۔ میر انیس نے کربلا کا پُرانا واقعہ ایسا لکھا کہ اُس میں نئے سرے سے ایک جان ڈالدی ؎ انیس

خود نویدِ زندگی لائی قضا میرے لئے
شمعِ کشتہ ہوں فنا میں ہے بقا میرے لئے

میں اس وقت ریاضت کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جو ایک معمولی لفظ ہے، جس کے معنی محنت کرنے کے ہیں۔ میرا مقصد صرف اسی قدر ہے کہ ہر انسان کے لئے محنت اچھی چیز ہے۔ یہ ایک معمولی ہدایت ہے جو مغربی علوم کے تراجم اور مشرقی تصانیف کے مواعظ میں کثرت سے پائی جاوے گی۔ لیکن اس مقام پر اندازۂ مقال آپ کو دور کی سیر کرالائے گا اور ریاضت کا

[1] مطبوعہ ادیب فیروزآباد ضلع آگرہ بابت ماہ اکتوبر ۱۸۹۹ء (جلد ۱ ع ۱۰)

معمولی لفظ انداز مقال سے ریاضِ خیال معلوم ہونے لگے گا۔ اشہری

چشم باید تا چو مردم ننگرد در سوے خود

مردمے باید کہ اندر خویشتن بیند مرا

اگر ہم دیکھیں کہ نیچر (فطرت) کو ریاضت سے کیا تعلق ہے تو ہم کو کوئی ایک چیز بھی ایسی نہ ملیگی جو ریاضت کے فرائض ادا کرتی ہوئی نہ پائی جائے۔ آسمانی پردوں کے اندر جو سوانگ بھرے جا رہے ہیں اُن میں کوئی جز بھی ریاضت کے مفہوم معنوی سے خالی نہیں پایا جاتا۔

حکماے قدیم میں ہم فیثاغورث کے اجزاے لایتجزے اور اُن کے امتزاج سے دنیا کی ترکیب و ترتیب قائم کریں یا حکماے متاخرینِ یورپ کے نیچرل سائنس سے اجزاے صغار کو صرف اہتمام خیال کریں، دونوں کا منشا اُن کی ترتیب و ترکیب سے اجزاے عالم کو پیدا کرنے کا ہے۔ اس خیال کے ساتھ ہی ہم کو اجزاے صغار یا اجزاے لایتجزے کا جزو جزو کسی کام کے بنانے کو ریاضت کرتا ہوا محسوس ہوتا ہے، جس کے یقین کرنے میں ہم کو ذرا بھی شبہ نہیں ہوتا۔ اس سے خیال کر سکتے ہو کہ تمام دنیا نیچر کی ریاضت کا نتیجہ ہے۔ اگر نیچر اجزاے صغار یا اجزاے لایتجزے کے امتزاج اور اُن کی ترتیب میں سست اور غافل ہوتا تو یہ دنیا نہ پیدا کر سکتا، اور جب نیچر کا یہ حال ہے تو ہم پر افسوس کہ اُس سے ریاضت کا سبق نہیں سیکھتے اور ہر کام میں ریاضت کو اپنا معین نہیں بناتے۔

اب اپنی یا دوسروں کی مذہبی دوربین سے دیکھو، جب بھی صفاتِ باری کے تعلقات کو کسی نہ کسی طرح کی ریاضت سے، جس کی کیفیت کو نہیں جان سکتے، وابستہ پاؤ گے۔ اور ازل سے لیکر ابد تک تم کو صفاتِ باری کی ریاضتوں کے کرشمے بقا اور فنا کے وادی خیال میں ہستی سے نیستی اور نیستی سے ہستی کے تماشے دکھاتے ہوئے پائے جائیں گے۔ رہی یہ بات کہ صفاتِ باری کی ریاضتیں کیسی ہیں؟ سو جب وہی سمجھ میں نہیں آتا تو اُن کیفیتوں کو کیا سمجھ سکتے ہیں۔ مگر جیسے تمام مخلوق کا ایک سلسلہ پایا جاتا ہے ایسے ہی فطری ریاضتیں بھی اُن کے

ساتھ وابستہ پائی جاتی ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نیچر کے ہر کام میں ایک نہ ایک ریاضت کو دخل ہے اور وہ کام اُس ریاضت سے پورا ہو رہا ہے۔

متقدمین نے جس طریق سے ترتیبِ عالم قائم کی ہے اُس سے بھی ریاضت کی ایک پابندی ظاہر ہوتی ہے۔ عالمِ خیال میں جلوۂ ازل کی رعنائیاں اور حسنِ ازل کی جلوہ فرمائیاں سب ایک چلتی ہوئی دُھن میں مصروف پائی جاتی ہیں۔ عالم ہو بہو اپنے مشقِ سکوت میں اختراع و ایجاد کی تدبیر کر رہا ہے۔ فرشتوں کو حکم ہوتا ہے کہ آدم کا پُتلا اس رنگ و روپ کا بنایا جائے، چاند سورج اس آب و تاب کے روشن ہوں، اندھیرے سے اُجالا اور اُجالے سے اندھیرا یوں نکلے جیسے زلفِ جاناں سے روئے زیبا اور روئے زیبا سے خالِ جانان۔ دریائے حسن میں کشاکشِ ناز کی موجیں جلوۂ ذات کو تماشائے خود آرائی دکھا رہی ہیں، اور جلوۂ ذات کی خودنما رعنائیاں قطرہ قطرہ سے انا النور کے طوفان اُٹھا رہی ہیں۔ فرشتگان ملاء الاعلیٰ میں ہل چل پڑی ہوئی ہے کہ بارگاہِ صمدیت کا کوئی حکم تعمیل سے رہ نہ جائے۔ ہر فرشتہ اپنے اپنے کام میں صرفِ تگاپو نظر آتا ہے۔ ایک طرف روحیں پیدا ہو چکیں، دوسری جانب اجسام کے نقشے اُتر رہے ہیں۔

ذرا میرے ساتھ نیچرل وادی میں آئیے اور یہاں کی ریاضتوں کو بچشمِ خود مشاہدہ فرمایئے ؎

برگِ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

ہماری دنیا جمادات، نباتات، حیوانات سے بھری ہوئی ہے۔ حکمائے یونان نے پانی، آگ، ہوا، مٹی چار عنصروں سے دنیا کی پیدائش مانی ہے اور حکمائے ہند نے آکاش کو پانچواں عنصر قرار دے کر پانچ عنصروں سے سب کی پیدائش جانی ہے۔ اس زمانہ کی مغربی سائنس نے کیمسٹری کے ذریعہ سے ۷۶ عنصر تک دریافت کئے ہیں، یا یوں کہئے کہ مغربی

تحقیق نے غلطی سے بعض اجزا کو عنصر خیال کیا ہے ۔ غالب

غلطی ہائے مضامین مت پوچھ
لوگ نالے کو رسا کہتے ہیں

بہرحال چار عنصر ہوں یا پانچ، پانچ ہوں یا چونسٹھ، چونسٹھ ہوں یا اس سے بھی زیادہ لیکن ہر چیز فرداً فرداً بحیثیت جزئی و بحیثیت کلّی پابندِ ریاضت نظر آتی ہے، اور یہ سردی گرمی اور خشکی تری اُسی کے فعل و انفعال اور افراط و تفریط کا نتیجہ ہے۔ لیکن علمی دقائق ایسے ہیں کہ وہ حقائقِ موجودات کے مناظر میں بغیر عقل کی روشنی کے نظر نہیں آتے۔ سخن میں کلمہ، کلمے میں لفظ، لفظ میں معنی، معنی میں مطلب اور مطلب میں مفہوم اور اشاراتِ افہامی کے تہ در تہ پردوں کے اندر چھپے ہوئے ہیں، جن کو سر نظر اپنے حدِ بصر تک دیکھ سکتی ہے۔ جیسے ایک جاہل سے کہو کہ مٹی کیا ریاضت کرتی ہے تو وہ کہے گا کہ خاک بھی نہیں مگر فلسفہ کی عینک سے عقل کی روشنی میں تم کو اُس کی مختلف ریاضتیں معلوم اور محسوس ہونگی۔ اسی ریاضت کا نتیجہ ہے جس کے ذریعہ سے ایک سلسلۂ لامتناہی کا امتزاج پایا جاتا ہے۔

اگر ہم نیچر کے کارخانہ سے ریاضت کے فعل کو ایک دم کے لئے روک رکھیں تو ہر چیز کی ہستی کا فعل باطل ہو جائے، مگر نیچر نے ریاضت کو ضروری سمجھ کر ایسا لازمی کر دیا ہے کہ وہ رُک ہی نہیں سکتی۔ زمین، آسمان، چاند، سورج، ہم، تم۔ سب فطرت کی ریاضتوں کا نتیجہ ہیں اور تمام عناصر ہر وقت سب سے اعلیٰ اور زبردست طاقت کے تحتِ حکومت اُس کے حسبِ منشا اپنی ریاضتوں کے فرائض ادا کرتے رہتے ہیں۔ پانی کو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ زمین کے اکھاڑے پر ہر وقت موجوں کے ہلوروں سے ڈنڑ پیلتا رہتا ہے۔ پانی سے دھواں، بھاپ، کہر، شبنم، اولے سب اپنی اپنی جگہ قدرت کی ریاضتوں کا منشا پورا کرتے رہتے ہیں۔ ہوا کا تموّج ہر وقت اُس کے جھونکوں کو ایک دوسرے سے کشتی لڑاتا رہتا ہے، اور بعض وقت کثرتِ ریاضت سے اُس کی پھولی ہوئی سانس علانیہ محسوس ہوتی ہے۔ آگ ہر دم اپنی نفسانی ریاضت سے اپنے بدن کو چمکاتی رہتی ہے

اور مٹی کا دیوتا اُس کے جسم کو خاک کے بھبوت سے ایک قدرتی بیراگی بنائے رکھتا ہے۔ مٹی کو دیکھیے تو معلوم ہوگا کہ اُس کا ثقیل بدن اپنے ثقل کو حرارت سے فائدہ پہنچانے کے لئے ہر وقت ریاضت میں مصروف ہے یعنی کرۂ ارض کو کسی وقت تیز روی سے چلنے اور طرح طرح کی جسمانی ورزشوں سے فرصت نہیں۔ اسی طرح تمام ستارے مختلف قسم کی ریاضتوں میں مصروف ہیں۔ آبائے علوی اور امہاتِ سفلی سے اطفالِ بہار اور دوشیزگان نبات کا پیدا ہونا درحقیقت اُن کی اصلی اور فصلی ریاضتوں کا نتیجہ ہے۔ بہر حال ہر فعل ایک حرکت کا نتیجہ اور ہر حرکت ایک فعل کا ذریعہ ثابت ہوتی ہے۔ ہر فعل حرکاتِ مختلفہ کا پابند اور ہر حرکت ریاضت کا خلاصہ ہے ہر حرکت کو حرارت لازم ہے۔ ابھی تو ٹھنڈی سانس ہمارے دل سے نکلی تھی کہ ہونٹوں تک آتے آتے آہِ آتشیں بن گئی۔ ہم نے ایک بات کو چلا کر کہا کہ سننے والے کو اُس کی تڑپ کی گرمیاں محسوس ہونے لگیں۔

اب بیدوں، طبیبوں، ڈاکٹروں کے خیالات بھی معلوم کرنا چاہیے کہ یہ تجربہ کار اور دانشمند ریاضت کو کیا سمجھتے اور ریاضت کی نسبت عوام کو کیا ہدایت کرتے ہیں۔ دنفتر بید جو حکمائے ہند کا سرتاج ہے کہتا ہے کہ "ریاضت کا دُکھ بدن کا سُکھ ہے" یہی حکیم ریاضت کو خدا کے پاس پہنچنے کی سیڑھی بتاتا ہے۔ شیخ الرئیس بوعلی سینا کہتا ہے کہ "بدن کی تندرستی اور اصلاح کا ریاضت سے بہتر کوئی علاج نہیں" حکیم جارجیوس یونانی نے اپنا خیال مختلف ریاضتوں سے امراض کا علاج کرنے پر مائل کیا اور ساٹھ برس کی عمر میں اُس کو یہ خیال پیدا ہوا۔ اُس نے ایک سو چالیس امراض کی دوا ریاضت کو تجویز کیا، من جملہ اُن کے جو اسی امراض تک اُس کو تجربہ کرنے کا موقع ملا۔ ہر مرض کے لئے اُس نے ایک قسم خاص کی ریاضت تجویز کی تھی۔ ڈاکٹر گال یا گلیلیو کا قول بوعلی سینا کے موافق ہے۔ وہ کہتا ہے کہ "حفظِ صحت کے لئے کوئی تدبیر ریاضت سے بہتر نہیں" جرمنی میں شاہی حکم سے ایک کتاب تیار ہوئی ہے جس میں ہر ملک اور ہر قوم کی ریاضتوں کے حالات لکھے ہوئے ہیں اور اکثر اہل ریاضت کی تصویریں اور مقام ریاضت کے نقشے دکھائے

گئے ہیں۔ اسی کتاب میں صوفیۂ مرتاضِ ہند اور اربابِ ریاضتِ فارس کے حالات میں بڑی دلچسپی ظاہر کی ہے۔ اسی طرح تمام جانوروں کے حالات دکھائے ہیں کہ کون کون جانور کس طرح کی ریاضت کرتا اور اُس سے کیا فائدہ اُٹھاتا ہے۔

ایک فرانسیسی ڈاکٹر کہتا ہے کہ "مختلف ریاضتیں ایک بہت بڑی صحت گاہ ہیں۔ جن کے حاصل کرنے کو ہر آدمی کا فرض ہونا چاہیئے کہ وہ تندرستی قائم رکھنے کے لئے اُس کی طرف رجوع کرے"۔

اطبائے یونانیہ واسلامیہ کے نزدیک "ریاضتِ عام اُس حرکتِ ارادی کو کہتے ہیں۔ جس کے کرنے سے انسان پے درپے لمبی لمبی سانسیں لینے لگے۔ شیخ کہتا ہے کہ "نفس کا عزم بغیر تواتر کے حدِ ریاضت کو نہیں پہونچتا۔ آدمی جو کچھ کھاتا ہے وہ پورے طور پر بغیر ریاضت کے جزوِ بدن نہیں ہوتا۔ ریاضت بلا ایذا محلل فضول اور حسبِ مراد معینِ طبیعت ہے"۔ شیخ (ایک دوسرے موقع پر) کہتا ہے کہ "میں حفظِ صحت کے لئے کوئی نسخہ ریاضت سے بہتر تجویز نہیں کرسکتا۔" اکثر امراض ریاضت سے زائل ہوتے اور بغیر ریاضت کے ترقی پاتے ہیں۔ قرشی لکھتا ہے کہ "تارکِ ریاضت کو اکثر دق لاحق ہوجاتی ہے اور وہ نحیف و کم طاقت رہتا ہے۔ ریاضت امراضِ مادّی کو رفع اور حرارتِ غریزی کو روشن، مفاصل کو سخت، فضلات کو تحلیل اور مسامات کو مضبوط کرتی ہے"۔ کُشتی لڑنا، دوڑنا، سواری کرنا، تلوار لگانا، نیزہ بازی کرنا، بلند آواز سے پڑھنا، گانا، باجہ بجانا، ڈنڑ پیلنا، مگدر ہلانا، پٹہ بازی کرنا، جھولا جھولنا سب داخلِ ریاضت ہیں۔ انواعِ ریاضت بہت ہیں۔ بعض عام ہیں، بعض خاص۔ بعض ریاضت بدن کی ہے، بعض نفس کی، اور بعض نفس اور بدن دونوں کی۔

ریاضتِ عام جسم کے چاروں اخلاط اور اربعۂ عناصر کو جنبش دیتی ہے اور مالش اُس کی معین اور بدن کو آرام دینے والی ہے۔ اور تدابیرِ مالش و ریاضت سے ایک دُبلا آدمی موٹا اور ایک موٹا آدمی دُبلا، ایک نامرد جوانمرد اور ایک بیوقوف عقلمند ہوسکتا ہے۔ ہندوستان

کے جوگیوں اور سنیاسیوں، فارس کے یزدانیوں اور ہوشنگیوں، اور مسلمانوں کے صوفیوں اور عرب کے بہادروں نے ریاضت کے ذریعہ سے جو نہایت عجیب اور قابل قدر طاقتیں حاصل کی ہیں، اور اُن سے جو نتایج ظاہر ہوئے ہیں وہ کرشمہ اور معجزات سے کم نہیں معلوم ہوتے۔

ہماری نظم و نثر[1]

آپ جانتے ہیں کہ ہندوستان سنسکرت کا وطن اور بھاشا کا چمن تھا، پھر فارسی نے اپنا سکہ چلایا اور فارسی کے ساتھ کم و بیش عربی نے رواج پایا۔ یہ چاروں زبانیں شاہی خیالات کا معدن اور ایشائی شاعری کا مخزن سمجھی جاتی ہیں۔ ہر زبان میں نثر اور نظم کے دو جداگانہ حصے دیکھے جاتے ہیں اور یہ بات ہر زبان کی مسلمہ ہے کہ نثر سے نظم کا مرتبہ زیادہ ہے۔ نثر چاندی ہے تو نظم سکہ، نثر سونا ہے تو نظم اشرفی۔

علم اللسان کی تاریخ پتہ بتاتی ہے کہ جب زبان کی ترقی کے اصول قائم ہوئے تو نظم کو اس کا زینہ بنایا گیا۔ نثر کیا ہے؟ ایک زمین جس پر سب کے سب بے تکلف آتے جاتے ہیں۔ اور نظم کیا ہے؟ ایک خاص اکھاڑہ جس میں اُس زبان کے پہلوان درزش کرتے ہیں، یا یوں کہئے کہ زبان کے عروج کے لئے نظم ایک زینہ ہے جس پر درجہ بدرجہ زبان ترقی کرکے درجات حاصل کرتی اور بام کمال تک پہونچتی ہے۔

آخر کو ان زبانوں کے چمنستان میں سبزۂ خودرو کی طرح اُردو نے جگہ پائی اور انگریزی نے فارسی اور اُردو کے قلمرو پر فتح حاصل کی۔ اس وقت سر سیّد احمد خاں مرحوم نے ایک جدید اصلاح کی بنیاد ڈال کر اُردو پر انگریزی مقالات کا سایہ ڈالا۔ اس اصلاح میں سر سید کے اکثر مقولات قابل قدر ثابت ہوئے لیکن بعض مقالات پر جو بغیر کسی غور کے بیساختہ زبان پر جاری ہو گئے یا انگریز مصلحین کے وہ جملے جو اُنھوں نے کسی خاص مطلب کے لئے بنائے تھے اپنی زبان میں نقل کر دیئے، اُن سے کوئی فیض رساں نتائج پیدا نہوئے بلکہ ایک آسانی دوسری مشکل میں پڑ گئی

[1] مطبوعہ ادیب فیروز آباد ضلع آگرہ بابت ماہ نومبر ۱۸۹۹ء (جلد ۱ عدد ۱)

اور کریم کریم کی جگہ کریل کریل کہنا بھی بھولنا پڑا۔

سرسیّد نے انگریزی مذاق کے مقابل ایشائی مذاق کو خراب تبایا۔ اُردو شاعری کا خاکہ اُڑایا، گل وبلبل کے مضامین ناپسند ہوئے، ہماری شاعری کی تشبیہات واستعارات کو نام دھرا گیا، ہماری تلمیعات وتلمیحات نکمی ٹھیریں، ہمارے صنائع وبدائع فضول اور ہمارا مبالغہ خلافِ عقل ہونے سے قابل نفرت کہا گیا، حالانکہ ایشائی شاعری اور ایشائی موسیقی کے سامنے یورپ کو مدتوں یہ کمال حاصل نہیں ہوسکتا۔ سنائی

ماہ ہا باید کہ تا یک پنبہ دانہ زآب وگل	شاہدے را حُلہ گردد یا شہیدے را کفن
سالہا باید کہ تا یک سنگِ اصلی زآفتاب	لعل گردد در بدخشاں یا عقیق اندریمن
عمرہا باید کہ تا یک کودکے از روے طبع	عالمِ دانا شود یا شاعرِ شیریں سُخن

رہی خاص اُردو وہ خود ابھی ابتدائی اور ناکمل حالت میں ہے۔

ہر زبان کی شاعری میں پہلے اس بات کا دیکھنا ہے کہ اس زبان کا مذاق کیا ہے اور اس مذاق کے پیدا ہونے کی وجہ کیا ہے؟ ایک زبان کے مذاق پر دوسری زبان کے مذاق کو استہزا کا کیا حق ہے اور وہ قابل قبول ہے یا نہیں؟ میرے نزدیک ہر زبان کا مذاق جُداگانہ ہے اور مذاق کا پیدا ہونا کسی ملک کی فطری حالتوں سے متعلق پایا جاتا ہے۔ اور کسی ایک زبان کو دوسری زبان پر استہزا کا حق نہیں ہے اور نہ وہ قابل قبول ہے، بجز اس کے کہ کسی ایک زبان کے مذاق کو دوسری زبان میں دکھایا جائے۔ جیسے میر غلام علی آزاد نے اپنے عربی دیوان سبحۃ المرجان میں بھاشا اور سنسکرت کی تشبیہات اور استعارات کا فوٹو دکھایا ہے، یا امیر خسرو اور علامہ فیضی نے بھاشا کا رنگ فارسی میں اور ملک محمد جائسی نے فارسی کا مذاق بھاشا میں ادا کیا ہے۔ اور اب اُردو میں ہر زبان کے مذاق کی گنجائش نکلتی ہے۔

انگریزی انشا اور شاعری کا حقیقی مذاق یہ ہے کہ کسی معاملہ کو اس کی فطری حالت کے موافق دکھایا جائے اور فرضی ناول بھی اس طور پر لکھے جائیں کہ سننے والے کے دل میں ان کے

سچے ہونے کا یقین ہو۔ سنسکرت کا مذاق یہ ہے کہ کسی بات کو قصہ طلب اور استعارات کی ترکیب معنوی میں چھپا کر دکھایا جائے۔ بھاشا، فارسی، اردو کا اصول یہ ہے کہ ناول اور شاعری میں جو بات بیان کی جائے اُس کے واقعات اپنے صنایع و بدایع یا استعارہ و ترقی کے ساتھ مذکور ہوں۔ انگریزی میں جو انتہا درجہ کا عیب سمجھا جاتا ہے وہ ان زبانوں میں اعلیٰ درجہ کا حسن پایا جاتا ہے۔

ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا

انگریزی اعتراض کرتی ہے کہ ایشیائی شاعری میں مبالغہ کے ساتھ ایسی دور از عقل باتیں بیان ہوتی ہیں جو قابلِ قبول نہیں۔ ایشیائی شاعری جواب دیتی ہے کہ انگریزی ایسا دھوکا دیتی ہے کہ سچ اور جھوٹ کے پہچاننے کو کوئی معیار نہیں۔ انگریزی بھاشا پر ہنستی ہے کہ ہزاروں برس ہوئے جب ارجن نے ایک ہاتھی پھینکا تھا جو عالمِ تدویر میں پڑ کر اب تک نہیں گرا۔ بھاشا انگریزی پر ٹھٹھا مارتی ہے کہ تو نے عربوں کے علمِ ماہیت (پانی کے مرے ہوئے اور برف میں دبے ہوئے جانور) کا ناول لکھا جو ایک مدت گذرنے پر تاریخی واقعہ بن گیا، اور ماہیت کے لفظ کی جگہ ماسٹد ہاتی لکھنے لگے۔ یہی وجہ ہے کہ انگریزی کے بہتیرے ناول تاریخی واقعات میں سمجھے گئے ہیں، جن کی اصلیت کا پتہ نہیں ملتا۔ بھاشا، فارسی اور اردو کے فرضی واقعات اس مغالطہ سے مبرّا ہیں، اور دیکھنے والے کو، بجز مبالغہ اور طلسمی حالتوں کے ایسے مغالطے میں نہیں ڈالتے

شاعری بجائے خود ایک پالیٹکس اور نہایت وسیع پولیٹکل لا (قانونِ سیاست) ہے۔ اگر ہم فلسفی بن کر اُس پر نگاہ کریں تو معلوم ہوگا کہ شاعری کا جو حصہ صلح اور جنگ کے پولیٹکل واقعات سے متعلق ہے اُس میں شاعری نے نہایت قابلِ قدر خدمتیں انجام دی ہیں۔ حُسن و عشق کے موثرات اور جذبات کو نہایت کامیابی کے ساتھ جلوہ گر کیا گیا ہے۔ جہاں مبسوط خیالات کو تھوڑے لفظوں میں بیان کرنے کی ضرورت ہوئی ہے وہاں شاعری سے بڑا کام نکلا ہے۔ جہاں کوئی خاص راز نثر میں ادا ہونا مشکل سمجھا گیا اُس کو نظم نے بڑی دلچسپی اور معنی آفرینی سے اپنے پردہ میں چھپا کر

اداکیا ہے۔ پند و مواعظ پر نظم کا بڑا احسان ہے وغیرہ وغیرہ۔ جیسے موسیقی کے پردوں میں قدرت کے عجیب عجیب راز چھپے ہوئے ہیں ایسے ہی شاعری کے اجزا میں انواع و اقسام کے انوار و اسرار ملے ہوئے ہیں جن کو اس فن کے عالم کے سوا ہر شخص نہیں دریافت کر سکتا۔

ایک شخص ایشیائی شاعری میں فرضی عاشق اور فرضی معشوق کو ناپسند کرتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ انتہا کا ادب اور اعلیٰ درجہ کی فلاسفی نہایت قابل قدر ہے جو مشق سخن میں مفروضات سے اپنا کام نکالتی اور حسن و عشق کے آفت ناک پھندوں سے بچا سکتی ہے۔ اگر کسی فلسفی کو ہماری شاعری پر اعتراض ہے تو وہ ساری اقلیدس کو میٹ دے جس نے فرضی نقطے سے اتنی شکلیں بنا ڈالیں۔ میں تو ان مفروضات کو فرائض شاعری کا ایک نہایت اعلیٰ فرض خیال کرتا ہوں۔ آپ دور از عقل مبالغہ کو ناپسند کرتے ہیں، میں اُس کو بمقابلہ اس کے کہ جھوٹ اور سچ میں تمیز ناممکن ہو اچھا جانتا ہوں۔ مبالغہ کا ہم پر یہ احسان ہے کہ وہ ہم کو جھوٹ سے بچاتا ہے یہ سب چیزیں شاعری کی جھناٹک ہیں جو خیال کو طاقت اور ذہن کو ترقی دینے کے لئے پیدا کی گئی ہیں۔

آپ کو شاعری کے گل و بلبل میں کچھ نظر نہیں آتا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ہم موسیقی کی باریکیوں سے لاعلم ہوں اور اس میں ہم کو کوئی مزہ نہ آئے۔ میرے نزدیک ہر جادہ ایک فلاسفی رکھتا ہے۔ جب آپ فلسفیانہ نظر سے غور کرینگے تو جیسے ایک کیمسٹ کو مٹی کے ڈھیلے میں سونے کے ذرے ملتے ہیں، آپ کو ہماری شاعری کے پھولوں میں عجیب عجیب رنگ اور بلبلوں کے ترانوں میں بڑے بڑے راگ نظر آئیں گے ؎

برگِ درختانِ سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

یہ بات افسوس کے قابل ہے کہ اب تک کسی صاحب نے کوئی قواعد ایسے مقرر نہ کئے جن سے اُردو شاعری کی اصلاح اور تکمیل ہوتی۔ مولوی حالی کا ایک نمونہ پیش ہوا اُس سے ہوتا کیا ہے

کوئی نمونہ کسی فن کی تعلیم نہیں کرتا۔ ہم ایک شہسوار کو روز گھوڑے پر چڑھے دیکھتے ہیں لیکن ہماری
ران نہیں جمتی، ہماری ماما روز چپاتی پکاتی ہے مگر ہم نہیں پکا سکتے۔ اس لئے تعلیمی کانفرنس
کا حق ہونا چاہیئے کہ وہ شعرا کی حوصلہ افزائی سے کام لے اور اپنی زبان کی اصلاح و تکمیل کے
قواعد مرتب کرے۔

اسی طرح شعرائے یگانہ و اُدبائے زمانہ کو اس کی ضرورت ہے کہ کوئی صاحب استعارات
کا خزانہ جمع کریں، کوئی صاحب تشبیہات کا دفتر مرتب فرمائیں، کوئی ادیب تلمیعات و تلمیحات
کی تدوین کریں، کوئی سخن طراز صنایع و بدایع کو ترکیب دے، کوئی اقسامِ نظم کے نمونے پیش
کرے، کوئی شاعری کا فلسفہ بیان کرے جس سے اُردو کے کتب خانہ اور شاعری کے دفتر میں
ایک معقول ذخیرہ جمع ہو جائے اور زبان کی اصلاح اور شاعری کی تکمیل میں اس سے مدد ملے
ہندوستان میں نظم کے متعلق کئی گلدستے نکلے لیکن ان کا مقصود صرف اُردو کے مذاقِ
تغزل کا دکھانا تھا۔ کسی نے شاعری کے اصول اور اس کے فلسفہ پر بحث نہیں کی اور نہ اصلاح و
تکمیل شاعری کے لئے کسی نے کوئی سلسلہ قائم کیا۔ یہ کام آسان بھی نہیں۔ اگر ملک کی آرزو میں
استقبال کریں تو سب ہو سکتا ہے۔

بیا تا دریں رہ نقابے کشم
بزیرِ قلم آفتابے کشم

جب ہم اپنی ایک حالت سے دوسری حالت کو بدلنا چاہتے ہیں یا دوسری حالتیں ہم میں تداخل پیدا کرنا چاہتی ہیں تو اُس کے لئے کوئی نہ کوئی سبب اور ایک نہ ایک تاویل ضرور ہوتی ہے، خواہ وہ ہمارے دل سے اُمنگے یا دوسرے ذریعہ سے ہمارے دماغ میں پیدا کی جائے آجکل جو مغربی خیالات مشرقی دماغوں میں اپنی گنجائش نکال رہے ہیں یہ سب ایک نہ ایک سبب اور تاویل کے تابع ہیں۔ لیکن میں نہیں کہہ سکتا کہ ہر امر کی نسبت عقلا اور حکما کی صحبت اور علماے مذہب کی جماعت نے معقولات و منقولات سے غور کرنے کے بعد کوئی فیصلہ کیا یا کوئی رائے قائم کی ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ بعض خیالات کے تداخل نے اکثر دماغوں میں ایسا ہی خراب اثر ظاہر کیا ہے جیسے غذا کے تداخل سے معدے میں مختلف عوارض کے اسباب پیدا ہوتے ہیں۔

میں اس وقت ہندوستان کی پردہ نشین بیبیوں کے متعلق پردہ کے باب میں ہر طرح کے خیالات ظاہر کرنا چاہتا ہوں۔ اگر آپ غور کرینگے اور دانشمندی سے نتیجہ نکالیں گے تو پورے طور سے ہر پہلو کی جانچ کر سکیں گے اور یہ چند سطریں بہت بڑی رہنمائی کرنے والی ہونگی۔

تعریف | یہ لفظ فارسی، ہندی، اُردو تینوں زبانوں میں مستعمل ہے۔ اصولِ لسان میں غور کرنے سے پایا جاتا ہے کہ فارسی کے مذاق نے دروازوں پر جو کپڑا لٹکایا جاتا ہے اُس کو دو

---

[۱] مطبوعہ رسالہ ادیب فیروزآباد ضلع آگرہ بابت ماہ دسمبر ۱۸۹۹ء (جلد ۱ عدد ۱۲)

حصّوں میں تقسیم کرکے اُس کا نام پردہ رکھا، یعنی دہلیز اور دروازہ کے پر اور کثرتِ استعمال سے پردہ ہوگیا۔ ناک کے درمیان جو حصّہ حائل ہے اُس کو پردۂ بینی بولتے ہیں۔ مگر ہندی مذاق سے دوسری ترکیب پیدا ہوتی ہے، یعنی پَر رَد جس کے معنی یہ ہوئے کہ پرائی نگاہ کو رد کرنے والا فارسی میں بھی پر اور پار دوسرے کے معنی میں آئے ہیں، پس ممکن ہے کہ پارسی اور ہندی دونوں نے اس وجہ تسمیہ کو اختیار کیا ہو۔ یہ لفظ اگرچہ کئی معنی میں مستعمل ہوتا ہے اور کئی طرح کے استعارات کو مشتمل ہے لیکن میں جس معنی میں پردہ کا مفہوم ظاہر کرنا چاہتا ہوں اُس سے اس موقع پر یہ مُراد ہے کہ کسی شئے کو محفوظ رکھنے کی غرض سے اُس کے چھپانے کو جو ذریعہ اختیار کیا جائے یا جو ذریعہ اُس کے محفوظ رہنے کا ہے اُس کو پردہ کہا جائے تاکہ اس مسئلہ کو آپ وسعت سے دیکھ سکیں۔

ضرورت | پردہ کی عام ضرورت یہ ہے کہ کسی چیز کو اُس کی حفاظت کے لئے نا اہل یا نامحرم یا کسی خوف و گزند سے بچنے کو دوسرے کی بُری نظر اور نامطبوع اثر سے بچایا جائے۔ اور یہی اُسکا موضوع ہے۔

مفہومات | پردہ کئی صورتوں میں مضمر پایا جاتا اور کئی صورتوں میں اُس سے فائدہ اُٹھایا جاتا ہے:-

۱۔ ملکی پردہ، جس سے ایک ملک کو دوسرے ملک سے اپنی حفاظت کا خیال ہوتا ہے اور اُن حفاظتوں کے لئے اُس کو قبول کیا جاتا ہے۔ جیسے انگلستان نہیں چاہتا کہ سفید رنگ کی عورتیں کالوں کے لئے آزاد ہوں اور یہ رسم و آئین کے پردہ میں دیکھا جاتا ہے۔

۲۔ مذہبی پردہ، جیسے ہندو مسلمان سے اور مسلمان ہندو سے پردہ پسند کریں۔

۳۔ قومی پردہ، کہ ایک قوم فرطِ حمیت سے عورتوں کا باہر دیکھنا پسند نہ کرے۔ جیسے خیبر کے آفریدیوں نے اس غیرت سے کہ اُن کی چند عورتیں خیبر سے نکل کر

پشاور کے بازار میں آبیٹھی تھیں تیغ بر ہو کر ہزاروں جانیں نذرِ جنگ کر دیں۔ یا علاء الدین غوری کے مقابلہ میں ہزاروں بہادر راجپوت کٹ مرے اور چار سو رانیاں اور دوسری عورتیں بارود بھا کر اڑ گئیں، اور شہوت پرست بادشاہ کو پدمنی کا روئے تاو دیکھنا نصیب نہوا۔ یا اکثر یورپین اپنی ملکی اور قومی عورات کا ہندوستانیوں سے تعلق پسند نہیں کرتے۔ یا ہندو مسلمان عورتیں عیسائیوں سے پرہیز کرتی ہیں۔ یا عرب کی عورتوں پر ذاتی شرافت اور قومی جبروت کا اثر ہے

۴- جبروتی پردہ، جس کو دیکھنے سے خود آنکھ جھپک جاتی ہے اور یہ وہ پردہ ہے جس سے ہر فاتح قوم کی عورتیں مفتوح اور کمزور مردوں کی طرف بہت کم رغبت کرتی ہیں۔ اسی طرح اقوامِ مفتوحہ کو حدِ ادب سے آگے بڑھنے کی جرأت نہیں ہوتی اور دونوں کے درمیان ایک جبروتی پردہ حد فاصل ہو جاتا ہے

جو ظالم ساتھ بھی سویا تو خنجر درمیاں رکھکر
ہمارے اُسکے پردہ ہو گیا دیوارِ آہن کا

۵- ہر قوم میں اس کی عفت و عصمت اور شرم و حیا کے پردے اپنے اپنے شریفانہ فرائض کو پورا کرتے ہیں۔

۶- قلعہ، محل، مکان، جھونپڑے، بنگلے، کوٹھیوں کے پردے۔

۷- برقع، چادر، گھونگھٹ کے پردے۔

اب غور کرنا چاہیئے کہ اس باب میں نیچر کا منشا کیا ہے، سائنس کہاں تک اس کے حقائق و دقائق کا انکشاف کرتا ہے اور مذہب کیا حکم دیتا ہے۔ سب سے پہلے میں نیچر سے نبٹتا ہوں، کیونکہ آجکل نیچرل استدلال کو خاص طور پر دیکھا جاتا ہے اور میں بھی نیوٹن کی تھیوری کی طرح پردہ کا سلسلہ وہاں سے شروع کرنا چاہتا ہوں جہاں سے دنیا کی پیدائش کا پہلا گولہ چھوٹا ہے۔

وہ دیکھئے اندھیرے گھپ میں فضائے لامتناہی کے اندر ایک عالی شان گولا چھوٹا!۔
اُس کے ٹوٹنے سے چاند، سورج اور ستارے نکل بھاگے اور اپنے اپنے محور پر گردش کرنے لگے
آخر یہ گولہ کہاں تھا؟ ایک پردہ کے اندر، اور ان چیزوں کے لئے خود گولہ کیا تھا؟ پردہ۔
یہی مجکو ثابت کرنا ہے۔ اب اور آگے بڑھئے تو معلوم ہوگا کہ نیچر کا بازی گر تمام سوانگ پردے
کے اندر درست کر رہا ہے صبح شام، رات دن ایسے سہانے اور نادر کار پردے ہیں جن کی اوٹ
میں بڑی بڑی مہ جمال اور مہر تمثال صورتیں نظر آتی ہیں، اور ان پردوں کے اندر طرح طرح کے
سوانگ بھرے جاتے ہیں۔

اب اپنی زمین پر آجائیے اور دیکھئے کہ یہاں نیچر نے پردوں پر کیا اہتمام کیا ہے اور
نوامیس قدرت اور پردگیانِ عفت کو کیونکر اُن میں رکھا ہے، اور نیچر کا اُستاد در پردہ ہم کو کیسی
تعلیم دیتا ہے کہ ہم بھی اُس سے فائدہ اُٹھائیں۔

جمادات جب ہم جمادات کو غائر نظر سے دیکھتے ہیں تو نیچر کے بڑے بڑے خزانے اُس کے
تہ در تہ پردوں میں چھپے ہوئے پاتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ نیچر نے لعل و یاقوت اور دوسری
بیش قیمت چیزیں جو جمادات میں سب سے زیادہ شریف اور افضل ہیں نہایت سنگین پردوں میں
چھپا کر رکھی ہیں۔ موتیوں کا خزانہ قعرِ دریا میں چھپایا ہے جس پر پانی کی صف بستہ موجیں پہرہ
دے رہی ہیں۔ مختلف معادن طرح طرح کے سنگین اور مضبوط پردوں میں محفوظ پائے جاتے ہیں

نباتات جب آپ نیچرل حالتوں کو نباتات میں دیکھیں گے تو معلوم ہوگا کہ ہر نبات جیسی
شریف اور شریف تر ہے اُس کے لئے پردہ کے اہتمام میں بھی ایک خصوصیت پائی جاتی
ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر درخت اپنے تخم کے محفوظ پردے میں بند ہے اور ہر تخم اپنے لئے ایک
قسم کا پردہ رکھتا ہے۔ تمام پھل پھول، پتوں سے چھائے ہوئے بنگلوں، بالاخانوں، حجروں
اور دالانوں میں آرام کرتے ہیں۔ کوئی زمین کے اندر سرداوں اور تہ خانوں میں رہتے اور
رنگ رنگ کی پوشاکیں پہنتے ہیں۔ طرح طرح کی رنگتیں اور قسم قسم کی خوشبوئیں اپنے اپنے حسب حال

لطیف اور نازک پردوں میں نظر آتی ہیں۔ بہر حال قدرت نے اُن کا تحفظ ایک نہ ایک طرح کے مناسب حال پردے سے کیا ہے۔

حیوانات حیوانات کی ساخت اور اُن کے افعال سے طرح طرح کے پردوں کا پتہ ملتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ حیوانات نے فطرتاً پردہ کی ضرورتوں کو محسوس کیا اور اُس کو اپنے کام میں لائے۔ حیوانات کی ساخت میں مغز اور روغن کا حصہ مضبوط ہڈیوں اور نلیوں کے پردے میں ہے، خون کا دوران شرائین اور وریدوں کے پردوں میں ہوتا ہے، اعضائے اندرونی باریک جھلیوں کے پردوں میں ہیں۔ تمام حواس کاسۂ سر کے مستحکم پردہ میں محفوظ ہیں۔ آنکھوں کے نورانی مادّوں کی حفاظت کو قدرت نے سات پردے بنائے ہیں۔ تمام اجسام اپنی کھالوں، پروں اور پوستینوں کے پردوں اور لباسوں میں دیکھے جاتے ہیں۔ تمام جانور بھٹوں، گوہیاؤں، غاروں، پہاڑوں کی اوٹ، درختوں کی آڑ، آشیانوں اور مامنوں میں رہنے کو اپنے آرام وحفاظت کا ذریعہ جانتے ہیں، اور جوڑہ جوڑہ ہو کر اپنے بچوں سمیت دوسروں سے علیحدہ رہنا پسند کرتے ہیں۔ پرند اچھی ہوا کھانے اور دوسروں کے دستِ ظلم سے بچنے کو بلند درختوں پر گھونسلے بناتے یا پتوں کی آڑ میں نشیمن اختیار کرتے ہیں۔ عام جانوروں کو اپنے دشمنوں سے بچنے کے لئے کوئی تدبیر کسی گھر کے گوشہ، جھاڑی کے جھنڈ، درخت کی کھو، پتیوں کی آڑ میں چھپ بیٹھنے کے سوا نہیں، اور نہ وہ اپنے چھپنے سے زیادہ اور کسی تدبیر پر بھروسا کر سکتے ہیں۔ شہد کی مکھیاں جن کے حسنِ انتظام کی کہانیاں ہر قوم کی زبان پر ہیں اپنے رہنے کا کیسا عجیب انتظام کرتی ہیں اور اُن کی ملکہ کس باقاعدہ شرافت سے مختلف پردوں کے اندر رہتی اور اُس پر زبردست اور طاقتور مکھیوں کا گارڈ اُس کی کیسی حفاظت کرتا ہے۔

سائنس سائنس میں دیکھو تو معلوم ہوگا کہ سائنس بجائے خود پردہ کی رہنمائی کرتا ہے حرف سے لفظ، لفظ سے معنی، معنی سے مطلب یہ سب سائنس کے نہایت لطیف ونازک

پردے ہیں۔ کیمسٹری (کیمیا) سے آگ، پانی، مٹی، ہوا کے پردوں میں قدرت کے نہایت عجیب معجزات دریافت ہوئے ہیں۔ نیچرل سائنس سے نہایت عجیب چیزیں مختلف پردوں میں چھپی ہوئی پائی گئی ہیں۔ ان مثالوں کے دیکھنے کے بعد آپ بہت سی مثالیں پردہ کے سمجھنے اور پردہ کا منشا دریافت کرنے کے لئے پیدا کر سکتے ہیں۔ آپ کے ضمیر نے سمجھ لیا ہوگا کہ پردہ کیسا لازمی اور قابل قدر ہے۔

مذہب قرآن میں صاف صاف لکھا ہے کہ "اے ازواج نبی اپنے گھروں میں قرار پکڑو" خدا نے ازواج نبی کو ایک نمونہ بنایا تھا کہ مسلمانوں کے تمام اعلیٰ اور شریف خاندانوں میں اُس کی تقلید ہو۔ کیونکہ جو دستور اعلیٰ خاندانوں میں رواج پاتا ہے اُس کا رواج خاص دلچسپی سے اپنے موثرات میں وسعت پیدا کرتا ہے اور جب کہ ازواج نبی کو یہ حکم ہوا تو دوسری عورتوں کو بطریق اولیٰ اُس کی پابندی لازم ہے۔ تمام مسلمان عورتوں کو اُس کی بجا آوری عام طور سے فرض ہے اور خاص طور سے سنت۔ اور قرآن میں عورتوں کو پردہ کرنے کے متعلق متواتر اور نہایت تاکیدی احکام نافذ ہیں، یہاں تک کہ علیحدہ نماز پڑھنے کی حالت میں بھی عورتوں کو خاص طور پر پردہ کی پابندی کا حکم دیا گیا ہے۔ اور جو عورتیں گھر سے باہر سواری پر سوار ہونے کو نکلیں، یا سواری سے اُتریں، یا اُن کو بحالت نہونے کسی مرد محرم، یا بطور چھوکری ماما کے کام کاج کے لئے باہر جانا ضروریات خانہ داری ہیں ہو تو ایسی ضرورتوں کے لئے قرآن کی دوسری آیتوں میں تشریح و تفصیل ہے؛ یعنی ایسی موٹی اور لمبی چوڑی چادر اوڑھیں جس سے از سر تا پا تمام بدن اُس میں چھپ جائے، اُن کے بدن کا کوئی حصہ نمایاں طور پر مشخص نہو سکے اور نہ باہم سے اُن کا رنگ اور جھب تختی پہچانی جائے۔ یہ افادہ موٹے کپڑے کے برقع یا موٹے کپڑے کی لمبی چوڑی چادر سے حاصل ہوتا ہے۔ باہر جانے کو پردہ دار ڈولیاں، میانے، پالکیاں اور گاڑیاں گھر کے حکم میں ہیں۔

ہندوؤں کا وید مقدس اور منوجی کا دھرم شاستر بھی استری کو غیر مرد سے اپنا منہ اور

بدن چھپانے اور شرم و عفت کے برتاؤ کا حکم دیتا ہے۔ عورت کے لئے اسلام کے احکام سے زیادہ وید شاستر کے احکام سخت ہیں اور یہ اُس وقت کی بات ہے جب ہندوستان آریہ ورت تھا۔ اس کے بعد جب غیر اقوام اور غیر مذہب کا تداخل ہوا تو پردہ میں اور شریفانہ احتیاطیں کی گئیں۔ اکثر شریف ہندو خاندانوں میں ضرورتاً باہر جانے کے وقت ایسی ہی چوڑی چکلی چادروں کا استعمال ہوتا ہے جو اسلامی مفہوم کے قریب ہے۔ غیر کا لفظ غیر مرد، غیر جنس، غیر کفو، غیر قوم، غیر مذہب، غیر ملک کے لئے درجہ بدرجہ اپنے مفہوم رسمی اور معنوی میں شدت ظاہر کرتا ہے اور پردہ کی احتیاط درجہ بدرجہ بڑھتی جاتی ہے۔

بہر حال ہر چیز کی حفاظت کو پردہ ضروری اور لازمی چیز ہے، گو پردہ کی نوعیت اور طرز عمل میں مناسبِ حال فرق ہو۔ بغیر ایک معین پردہ کے اُس کی احتیاط کا درجہ اور حفاظت کا قاعدہ پورا نہیں ہوتا، اور جو شئے جیسی زیادہ عزیز، قیمتی اور شریف و اشرف ہے ویسی ہی اُس کی خواہش اور قدر و احتیاط اور حفاظت لازمی و ضروری ہے۔ غلّہ مٹکوں، گڑھوں، کھتیوں میں محفوظ کیا جاتا ہے، روپیہ صندوقوں میں رکھا جاتا ہے، زیادہ قیمتی چیزوں کے لئے لوہے کے صندوق اور چور خانے استعمال کئے جاتے ہیں، جواہر کی حفاظت کو احتیاط کے کئی درجے پورے کرنا ہوتے ہیں، وقس علی ہذا۔ چونکہ انسان تمام دنیا کی ہر قسم مخلوق سے اعلیٰ اور اشرف ہے اور وہ اپنی عورتوں کو نہایت محبوب اور عزیز سمجھتا ہے اس لئے حسبِ قدرت و شرافت اور باندازہ غیرت و حمیت اُس کو اُن کی حفاظت کا طبعی خیال ہے تمام شریف بیبیاں اپنے گھروں کے اندر رہنے اور شرعی احکام کے موافق پردہ کرنے سے نہایت خوش ہیں۔ وہ جانتی ہیں کہ اس طرح پر بی بی بن کر رہنا کیسا قابلِ قدر ہے، نیز یہ کہ شوہر اور وارث کیسا عزیز سمجھتے ہیں کہ اس آرام و عزت سے رکھتے ہیں۔

قدرت نے تمام ماداؤں میں نروں کی متابعت اور فرماں برداری کا مادّہ پیدا کیا ہے اور نروں کو ماداؤں کے اوپر بالا دستی کا شرف بخشا ہے۔ انسان ان سب میں افضل و

اشرف ہے اس لئے اُس کو سب سے ممتاز ہونا چاہئے۔ یہ خواہش ہر شخص، ہر قوم، ہر ملک میں اُس کے زور و طاقت، غیرت و حمیت، شجاعت و شرافت کے موافق پائی جاتی ہے۔ مردوں کی حکمرانی اور عورتوں کی فرماں برداری، تعلقاتِ خانہ داری کے درست اور مضبوط رہنے کی حقیقی ضمانت ہے۔ فلسفہ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ عورتوں کی عقل مردوں کی طرح صحیح نہیں اور نہ وہ اپنے خیالات کو مردوں کی طرح عقل کے ماتحت رکھ سکتی ہیں۔ اسلام کا فیصلہ بھی یہی ہے کہ عورت ناقص العقل ہے۔ روما کے زمانہ ترقی میں جب کہ تعلیم یافتہ عورتوں کو مردوں کے برابر حقوق دیئے گئے تھے اور وہ چھاتیاں کاٹ کر فوج میں بھرتی ہونے لگی تھیں، اور اُن سے سلطنت کے دوسرے کام لئے جانے لگے تھے تو اُن کی فطرتی سازشوں اور شہوت پرستیوں نے ایسے ثبوت دیئے جن سے بہت جلد رومیوں کو اپنے خیال کی غلطی معلوم ہوگئی اور وہ قانون منسوخ کرنا پڑا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ بعض عورتیں جو مردوں پر آزادانہ طاقت پا جاتی ہیں اُن سے کیسے خراب نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ ایک مثال زنانِ بازاری کی ہے جس سے ہر وقت چاہنے والوں کے دل پژمردہ، چہرے زرد، دل پُر درد رہتے ہیں۔

علما کی رائیں اس زمانہ میں بعض لوگ چاہتے ہیں کہ پانچویں سواروں میں داخل ہونے کے لئے ہم بھی اپنے آپ کو انگلش مذاق میں نمودار کریں۔ اگر مغربی سائنس اور مغربی اقوام سے اُن کے علوم نہیں سیکھ سکتے تو بغیر لحاظ اپنی قوم اور مذہب کے ایسی باتیں ہی کریں جو انگلیاں اُٹھیں کہ ہم بھی کوئی ہیں۔ ایک صاحب نے پوچھا تھا کہ ہندوستان میں عورتوں کا یہ پردہ احکام قرآن کے موافق ہے یا نہیں، اور اپنی طبع آرائی سے اُس کو باعثِ عدمِ ترقی قوم و عوارضِ عوارت ظاہر فرمایا تھا۔ اس پر چاروں طرف کے علمائے کبار و اُدبائے روزگار نے مختلف اخباروں اور رسالوں میں اس پردہ کو حسب احکام کتاب و سنت ثابت کیا، جس کی شرح اخبارات و رسائل میں مذکور ہے۔ سر سید نے جو مغربی تعلیم کو مسلمانوں میں پھیلانے اور یورپین

تہذیب کو مسلمانوں کو سکھانے کے بانی ہیں اخبار انسٹیٹیوٹ گزٹ میں پردہ کی تائید میں مضمون لکھا اور قوم کو آگاہ کیا کہ ابھی تم خود تو اپنی جہالت اور موانعِ ترقی کو دور کرلو پھر عورتوں کے باب میں غور کرنا۔ باقی رہی تعلیم سو اُس کو اسلام خود حکم دیتا اور فقہ اُس کی تفصیل کرتا ہے اب میں اس کے متعلق بعض باتیں سوال وجواب کے طور پر قلمبند کرتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ اس کا دیکھ لینا دلچسپی سے خالی نہوگا۔

سوال	جواب
(۱) نیچر نے عورت مرد دونوں کو ہاتھ پاؤں، آنکھ، ناک دل دماغ ایک سے دیئے ہیں۔ اس لئے دونوں کے حقوق مساوی ہونا چاہیئے۔	(۱) یہ خیال لاعلمی سے پیدا ہوا یا فلسفہ میں غور نہ کرنے کا نتیجہ ہے۔ نر اور مادہ، مرد اور عورت کے اعضا و اعصاب اور اُن کی طاقت و افعال میں فرقِ بین ہے۔ عورت بچہ جنتی ہے مرد نہیں جنتا، عورت کو حیض آتا ہے مرد کو نہیں آتا، عورت کا دل و دماغ کم وزن اور کمزور ہے مرد کا نہیں، مرد میں قوت فاعلہ ہے عورت میں قوت منفعلہ، اس لئے دونوں کے حقوق مساوی نہیں ہو سکتے۔
(۲) میں عورتوں کی طرف سے پیروی کرنا چاہتا ہوں۔	(۲) یہ آپکے ضمیر کے خلاف ہے کہ اپنی فطرت کی جگہ دوسری فطرت کی پیروی پر قائم رہ سکیں۔
(۳) اکثر پردہ نشین عورتیں بیمار دیکھی جاتی ہیں۔	(۳) آپ کو شریف پردہ نشینوں کے گھر کی خبر نہیں۔ وہ عام طور سے تندرست ہیں

بخلاف اُن کے غیر پردہ نشین اور بازاری عورتوں کو دیکھئے کہ وہ کیسے ذلیل اور کثیف امراض کا معدن ہیں، اُن سے کیسے کیسے گندہ اور خراب امراض منتشر ہوتے اور نالائق و آوارہ مردوں کے ذریعہ سے در پردہ گھروں میں داخل ہوتے ہیں۔

(۴) پردہ میں بیٹھنے سے طرح طرح کے عاشقانہ خیال بندھتے ہیں۔

(۴) میں اس کو تسلیم کرتا ہوں کہ ایسا ہو سکتا ہے۔ لیکن بے پردہ ہونے پر وہ خیالات بطور واقعات کے سامنے آسکتے ہیں۔ نیچر نے عورت مرد میں برقی و مقناطیسی اثر رکھا ہے۔ اُس کے موافق عورت کا مقناطیس مرد کے لوہے کو طبعی طور سے اپنی طرف کھینچتا ہے، برقی رو کسی حس کے ذریعہ سے اُس اثر کو دل میں داخل کرتی ہے اور دونوں میں مقناطیس و آہن کی مقدار پر نتائج مترتب ہوتے ہیں۔ پردہ ہی ایک ایسی زبردست روک ہے جو اُس کو روک سکتا ہے۔

(۵) پردہ نشین عورتیں مانع ترقی ہیں

(۵) لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم لاکھوں عورتیں بے پردہ ماری پھرتی

(۶) ہمارے ہندوستان کے گھروں
کی ترکیب بہت خراب ہے اور
اُن کی دیواریں چاروں طرف سے
ہوا کو بند رکھتی ہیں۔ انگریزی کوٹھی
بنگلوں کا کیا کہنا۔

ہیں جو پردہ نشینوں سے ہر بات میں
ذلیل وحقیر اور پست حالت میں ہیں۔
(۶) آپ نے ہندوستان کے موسموں، یہاں
کی آب وہوا اور یہاں کے اصول معاشرت
پر غور ہی نہیں کیا۔ میرے نزدیک
یہاں کے حسب حال عام آرام اور
تندرستی کے لئے یہاں کے مکانات
کی طرح وضع بہت ہی قابلِ قدر ہے
دیواروں سے مکان کا چاروں طرف
گھرا ہونا، اچھی ہوا کو روکنا نہیں بلکہ خدا
عقل دے تو یوں سمجھئے کہ زمین سے ہمیشہ
بخاراتِ کثیف نکلا کرتے ہیں، آدمیوں
کے چلنے پھرنے اور جانوروں کی شد
آمد سے بھی زمین کی اوپر کی ہوا گرم
اور زہریلی ہو جاتی ہے۔ اس لئے وہ
دیواریں اس کو روکتی ہیں اور جب وہ
ہوا اوپر جا کر گرد وغبار اور خراب آمیزشوں
سے پاک وصاف ہو جاتی ہے۔ تب
اوپر کی طرف سے ہمارے صحنوں میں
داخل ہوتی ہے۔ انگریزی وضع کی
کوٹھی بنگلوں میں وہی خراب ہوا زیادہ

	بے تکلفی سے داخل ہوتی ہے۔
(۷) ہمارے مکانوں کی تقسیم اچھی نہیں	(۷) ہمارے مکانوں کی تقسیم نہایت ضروری اور قابل قدر ہے، بمقابلہ اس کے انگریزی بنگلوں اور کوٹھیوں کے کمروں کی تقسیم اور اُن کے گھٹا ٹوپ پٹاؤ کی قدر و عافیت اُس وقت معلوم ہو جب پنکھوں کو اُن سے جدا کر لیا جائے جو وہاں کی ہوا کی اصلاح کرتے رہتے ہیں۔ ہماری حرم سراؤں میں آفتابی پنکھے کی شعاعی ڈوریاں اور قدرتی ہوا کے جھکورے آپ ہی آپ اس غرض کو پورا کر دیتے ہیں۔
(۸) ہمارے نزدیک عورتوں کی تعلیم ضروری ہے۔	(۸) اسلام کے نزدیک فرائض میں سے ہے طلب العلم فریضة علی کل مسلم و مسلمة، لیکن اُن کی تعلیم بغیر عورات عفیفہ و مستورات شریفہ قوم یا محرمانِ عفت کے بالاتفاق منع اور حرام ہے، اور تعلیم بھی وہ جو اُن کے لئے مخصوص ہے۔

انگریزی حکومت کے برکات

پہلے ہندوستان کو سمجھ لیجئے، پھر انگریزی برکات کو دیکھئے گا۔ ویدوں اور شاستروں کے موافق تو ہندستان کی قدامت کا کچھ حساب ہی نہیں لیکن موجودہ نسلوں کے اعتبار سے بھی اُس کی قدامت کو تمام دنیا کی آبادی پر یہ شرف ہی کہ انسانوں کا سب سے پہلا باپ (آدم) اسی کی سرزمین پر نازل ہوا (جو چرن دیو کے نام سے موسوم تھی اور اب سراندیپ لکھی جاتی ہے)

علامۂ آزادِ بلگرامی نے ہندوستان کی اشرفیت میں یہانتک غلو کیا ہی کہ وہ تمام دنیا کے انبیار کو خاکِ پاکِ ہندوستان سے منسوب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرتِ آدم کا نور تمام دنیا کے انبیار میں منتقل ہوا ہی، تا بدیگراں چہ رسد۔

قریب زمانہ میں "ہندستان" نام ایک کتاب شایع ہوئی ہے اور غالبًا اسی الہ آباد سے شایع ہوئی ہے جو ایک روشن خیال سب جج کی محققانہ تالیف کا پہلا خاکہ ہے۔ میرے سامنے اس وقت وہ کتاب موجود نہیں لیکن نئی کتابوں میں وہ ایک ضروری تالیف ہی، اور فی الحال پنجاب میں ہندوستان کی صحیح تاریخ لکھنے پر خاص توجہ کیجارہی ہے۔ موجودہ زمانہ کو ایسی تالیف کی سخت ضرورت ہی[1]

میں اس مضمون میں بہت پرانے زمانہ کا ذکر کرنا نہیں چاہتا جبکہ ہندوستان اپنے خبر

---

* مطبوعہ رسالہ ادیب الہ آباد۔ بابت ماہ جون ۱۹۱۰ء (جلد نمبر ۲)

[1] فی الحال لارڈ منٹو کے عہد میں گزیٹیر کا ایک خاص دفتر قایم کیا گیا ہے، جس کا کام تمام ہندوستان کے ایک ایک گاتوں کی گذشتہ اور موجودہ حالت کی تاریخ اور جغرافیہ کے نشانات ظاہر کرنے کا ہی۔ اشھری

برکات سے تمام دنیا کا سرتاج بن رہا تھا، جو اب ایک افسانہ سمجھا جا رہا ہے۔ آریوں کی تاریخ میں بزم و رزم کے بڑے بڑے نمونے پائے جاتے ہیں۔ بدھ مذہب والوں نے فقیری میں جو کام کیے وہ بادشاہوں کو بادشاہی میں نصیب نہیں ہوئے۔ اس کے بعد برہمنوں اور چھتریوں کی اولوالعزمیوں سے ہندوستان کی پچھلی تاریخ کے ایک باب میں کئی فصلیں پیدا ہو گئیں جو ہندوستان کے عام انقلاب کا پیش خیمہ تھیں۔ انھیں فصلوں نے ہندوستان میں مسلمانوں کے آنے کی راہ نکالی، یا یوں کہیے کہ سکندر کی پگ ڈنڈی کو وسیع کر دیا۔

افسوس کہ تاریخ کا یہ ضروری اور فلسفۂ تاریخ کو روشنی میں لانے والا حصہ بہت ہی تاریک حالت میں ہے کیونکہ ہندوؤں نے اُس وقت کے سچے حالات قومی گناہ سمجھ کر لکھے نہیں اور مسلمانوں نے پولٹیکل لحاظ سے اُن پر پردہ ڈالا تاکہ عوام کو دونوں کے ساز باز کی صحیح اطلاع نہ ہونے پائے۔ ہندوستان کے سیاحوں میں مارکوپولو، ابن بطوطہ، ابوریحان بیرونی کے سفرناموں سے دورِ وسطیٰ کی حالتوں کا اندازہ ہوتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اب سے چھ سات سو برس پہلے تک ایسے جہاں گشت سیاح اس للچائی ہوئی نگاہ سے ہندوستان کو دیکھتے تھے جس کے مقابلہ میں کوئی ملک اُنکی نظروں میں نہ سماتا تھا۔ مارکوپولو کے بعد مسلمانوں کے یلغار اور اُن کی رستخیز سے ہندوؤں میں ایک نئی اُچھل محسوس ہوتی ہے اور رفتار، گفتار، مذہب غرض ہر بات سے ایک خاص غیریت کا احساس و امتیاز ہوتا ہے۔

میں ہندو مسلمانوں کے ذکر میں کوئی بات ایسی چھیڑنا نہیں چاہتا جو ایک دوسرے کی فوقیت ظاہر کرتی ہو۔ ہاں! اس سلسلۂ کلام کے موضوعِ حقیقی کے متعلق اتنا بیان کرنا ضروری ہے کہ گذشتہ زمانہ کے کون کون نشانات اُس وقت کے خصوصیات کو ظاہر کرتے ہیں۔ میں اسکے ثبوت میں شہزادہ رامچندر کی اُس دیوار کو پیش کرتا ہوں جو ہزاروں برس سے سمندر کی طوفان خیز موجوں کی ہر روز اَن گنتی ٹکریں برداشت کرتی ہے اور تمام دنیا کو عہدِ قدیم کے انجنیرنگ کا حیرتناک تماشا دکھا رہی ہے۔ چند سال پیشتر کسی اخبار میں دیکھا تھا کہ بعض انگریز انجنیر اس دیوار کو

توڑکر اس کا مصالہ دوسرے کام میں لانا چاہتے ہیں لیکن وہ ایسی مستحکم تعمیر ہے جس کو موجودہ اوزار بغیر بہت بڑے اہتمام کے توڑ نہیں سکتے اور نہ اُس کا ایک پتھر دوسرے پتھر سے علیحدہ ہو سکتا ہی۔ اسی طرح مغربی دکن کے بعض نشانات کو راجہ رامچندر کی روانگی یا مراجعت لنکا سے منسوب کیا جاتا ہے اور خود اُنکی حالت بہت پُرانے زمانہ کا پتا دیتی ہی۔

برہمنوں کے یادگاری نشانات میں زیادہ تر مندروں کا سراغ ملتا ہے۔ بدھ کے نشانات قریب دو ہزار سال کے گذرنے پر اب بھی اپنے استحکام و صنعت میں عقلِ فرنگ کو دنگ کر رہے ہیں۔ ایلورا اور راجنتا کے انجینیرنگ پر عقل حیران ہوتی ہی۔ اور نو اور ایلورا کے سلسلۂ عمارات میں ایک نہایت شاندار کمرہ ہے جس کی دیواروں پر گوبر کا لیس کیا گیا ہی یہ گوبر انڈے کے چھلکے کے برابر دو سفید چیزوں کے بیچ میں ہی اور جیسے مصر کی لاشیں مومیا کی ترکیب سے ہزاروں برس گذرنے پر ابتک جوں کی توں دیکھی جاتی ہیں ویسے ہی یہ نہایت پھسپھسی چیز (گوبر) ابتک اُس وقت کے ہندوستانی عمل سے اپنی حالت پر محفوظ ہی۔ اسیطرح راجہ اندر کا اکھاڑا جس عظمت اور خوبصورتی سے دکھایا گیا ہی اُس کے ایک ایک پتھر کی نقاشی عقل کو حیران کرتی ہی۔

بدھ کے بعد جن مقامات پر اُن کے یادگاری نشانات ملتے ہیں وہاں جینیوں کی اولوالعزمی اور اُن کے عہد کے انجینیرنگ کا بھی نشان پایا جاتا ہی چنانچہ ایلورا اور راجنتا میں بھی جینیوں کے تعمیر کردہ مندر اُسی صناعی کے ساتھ قریب قریب نظر آتے ہیں۔

چھتری سورماؤں کی یادگاریں زیادہ تر قلعوں کی صورت میں ہیں جو اُنکی بہادرانہ فتاحی کی یاد دلاتی ہیں۔ ان میں بعض قلعے ایسے ہیں جن کے استحکام اور انجینیرنگ کو دیکھکر حیرت ہوتی ہی۔ مثلاً (صوبہ متوسطہ) میں قلعہ بکاولی کی تعمیر ایسے غیر معمولی اصول پر کی گئی ہی جو ابتک افہام عام سے باہر ہے۔ راقم نے خود اُس مقام کو دیکھا ہی۔ اُسکی ہر بات عقل کو حیران کرتی ہی۔ تاریخی تحقیق ہی کہ یہ مقام اُس ملک کے ایک راجہ اور اُس کے ہمراہی حکیموں کی

لاثانی حکمتوں کا نمونہ بیان کیا جاتا ہے۔ معمولی لوگ اس کو دیوتاؤں کی تعمیر خیال کرتے ہیں۔ کچھ بھی ہو ہندوستان کے یادگاری مقامات کا لاثانی نمونہ ہے۔ اسی طرح ہندوستانی تاریخ کے لئے اس قسم کے نشانات کثرت سے مل سکتے ہیں جن سے ہر زمانہ کا مذاق دریافت کیا جا سکے۔

ان کے بعد مسلمانوں کا نمبر آتا ہے۔ اس وقت کے نشانات بھی کثرت سے موجود ہیں اور آخری دور کے تاجداروں میں شاہجہاں نے اپنی بادشاہ بیگم ارجمند بانو یا تاج محل و تاج بی بی، کی یادگار میں روضۂ تاج ایسا بنوایا ہے جو تمام دنیا کی ساخت عمارتوں میں سے ایک سمجھا جاتا ہے۔

ہندو راجاؤں کے عہد سے لیکر مسلمان بادشاہوں کے زمانہ تک مشرقی ادب کا عمل درآمد ہوتا رہا ہے۔ آپس کے خیالات میں کیسی ہی بیگانگی ہو اور ایک دوسرے کا مذہب کیسے ہی تعصب سے ملوث پایا جائے لیکن مشرقی ادب نے ہر وقت دونوں کا ساتھ دیا ہے۔ مشرقی ادب سے زیادہ کوئی چیز آپس کے تعلقات کو خوشگوار بنانے والی اوراقِ تاریخ میں نہیں ملتی۔

مسلمان حکمرانوں کے بعد انگریزی کمپنی کا تداخل شروع ہوتا ہے، جو کمپنی سے بادشاہی اور بادشاہی سے شہنشاہی کے درجہ تک ترقی کرتا ہوا پایا جاتا ہے اور آج ہندو اور مسلمان دونوں اس کے حلقۂ اطاعت میں دست بستہ سر جھکائے نظر آتے ہیں۔

میں اس موقع پر ہندو حکمرانوں اور مسلمان بادشاہوں کے زمانہ حکمرانی کی لوٹ مار اُس وقت کی خانہ جنگی اور جدال و قتال کی داستان لکھنے کو تیار نہیں ہوں، اور نہ اُس وقت کے ساتھ عہدِ برطانیہ کے امن و امان کا موازنہ کرنا چاہتا ہوں کیونکہ یہ معاملہ جب فلسفۂ تاریخ کی روشنی میں لایا جائے تو قدرت کی طرف سے دونوں کا نتیجہ واحد ہوتا ہے۔ پچھلے زمانہ میں لوگ لڑائیوں میں مرتے تھے اور انگریزی امن و امان کے وقت میں نیچر نے ہماری بدنصیبی سے

میزان کے دونوں پلڑے برابر رکھنے کے لئے قحط، ہیضہ، طاعون وغیرہ بلیات کو ہم پر مسلط کر دیا ہے۔ بایں ہمہ امن و امان کی برکتیں ایسی زبردست ہیں جن کے سامنے پچھلی تاریخ بالکل تاریک معلوم ہوتی ہے۔

انگریزی تدخل اور برطانوی فتوحات کے حالات اجمالاً عہد نامہ جات ملک سے ظاہر ہو سکتے ہیں اور معلوم ہو سکتا ہے کہ انگریز بدتریں نے دوسو برس تک مشرقی ادب سے کتنے بڑے کام نکالے ہیں۔ مشرقی ادب کی بہت صحیح مثال طب یونانی سے دیجا سکتی ہے۔ جیسے طب یونانی کا اصول مزاج ملکی اور مزاج شخصی کو دیکھنا ہر دوا کو ہر مرض سے مخصوص کرنا اور مصلحات اور مضرات کا خیال رکھنا ہے، اور جس دوا سے مریض کو ذرا بھی نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہو اُس کو بغیر اصلاح کے کام میں نہیں لایا جاتا ویسے ہی مشرقی ادب کا اصول ادیب کو حدِ ادب سے آگے بڑھنے یا پیچھے ہٹنے کا روادار نہیں۔ وہ ہرگز کوئی ایسی بات کہنا نہیں چاہتا جس کی مضرتوں سے انسانی زندگی پر خراب اثر پڑے۔

مشرقی ادب کا پہلا سبق یہ ہے:

(۱) تم جو بات کہو وہ ایسی ہو جس سے خدا کے نافرمان نہ بنو۔

(۲) تمہاری کوئی بات بادشاہِ وقت کے خلاف نہو۔

(۳) تم کوئی بات ایسی نہ کہو جس سے خود تم کو نقصان پہونچے۔

(۴) تمہاری کوئی بات تمہارے توابع کے لئے مضرت رساں نہونا چاہیئے

آپ سمجھ سکتے ہیں کہ جس ادب کے پہلے سبق نے آپ کو ایسی مفید باتیں سکھائی ہوں اُس کا مکمل فلسفہ کیسا زبردست ہوگا۔ اسی لئے آپ کو ہدایت کی گئی ہے کہ آپ اپنے ادب کو ساتھ لیکر جہاں چاہیں جا سکتے ہیں۔ وہ ہر مقام پر آپ کی حفاظت کرتا رہیگا۔

ادب تاجی ست از لطفِ الٰہی
بنہ بر سر برو ہر جا کہ خواہی

ہندو اصحاب اپنے راجاؤں کے طرزِ عمل سے اور مسلمان حضرات اپنے بادشاہوں کی سیاست مدن سے اس نتیجہ کو دریافت کر سکتے ہیں کہ جس راجہ یا بادشاہ کے عہد میں ادب کا درجہ بلند رہا اُس کی ہر دلعزیزی نامورری میں ترقی ہوتی رہی اور جس کسی کے وقت میں ادب کی مٹی خراب ہوئی اُس پر خراب اثر پڑا۔

مغربی ادب غیر محدود آزادی کی تعلیم کرتا ہے لیکن مشرقی ادب محدود خودداری کا سبق پڑھاتا ہے۔ اگر آپ اپنے ادب سے کام لیں تو طوفان خیز دریا میں آپ کی کشتی ڈانواں ڈول ہو ہی نہیں سکتی۔

فدائے دیدہ وراسے کہ از بہار بہشت
زگرد بادشناسند سروبستانی

اب میں اس داستان سے آگے بڑھ کر عہد برطانیہ کے نمایاں برکات کا ذکر کرتا ہوں۔

(۱) انگریزوں کی بدولت ہم نے اسٹیمروں کو دیکھا، جنھوں نے انگلستان، فرانس، جرمنی، امریکہ، چین، جاپان وغیرہ سے ہندوستان کو اتنا قریب کر دیا ہے کہ اس سے پہلے یہ بات کبھی حاصل نہ تھی۔ یہ مغربی فرشتے ہمارے ملک کی خام، پیداوار یورپ کو لیجاتے اور وہاں سے طرح طرح کی چیزیں ہمارے لئے لاتے ہیں۔

(۲) ہم پہلے گاڑی، چھکڑا، رتھ، بہلی پر سفر کرتے تھے اب انگریزوں نے ہر حصّہ ملک میں ریلوے جال پھیلا دیا ہے۔ پہلے ایسی سواری راجاؤں اور بادشاہوں کو بھی نصیب نہ تھی جس پر اب غریب سے غریب آدمی سفر کرتے ہوئے پائے جاتے ہیں۔

(۳) ریلوے کے ساتھ تار برقی نے ہم کو تمام دنیا سے قریب کر دیا ہے اور ہماری آنکھوں نے یہ وہ حیرتناک ایجاد دیکھی ہے جس سے ہماری عقلیں حیران ہیں۔

(۴) سررشتہ ڈاک کے انتظام نے ایسا شکرگذار کیا ہے جس کو ہم دل سے قبول کرتے ہیں اس سے پہلے مشرقی تاریخوں میں کوئی زمانہ ایسا نہیں ملتا جس میں ایک پیسے کا کارڈ پہنچتا ورسے

کلکتہ و ڈھاکہ تک جاکر تیسرے روز مل جاتا ہو۔

(۵) طرح طرح کی مشینوں نے ہمارے قلوب کو مجبور کر رکھا ہے کہ ہم ان کو دیکھکر انگریزی برکات کا اندازہ کریں۔

(۶) مغربی اشیا سے ہندوستان کے تمام بازار بھرے پڑے ہیں۔ سوئی بچپ تک انگریزی برکات کا نمونہ نظر آتی ہیں۔

(۷) برق و مقناطیس کے کرشموں نے مغربی سائنس کو ایک معجزنما حالت میں ظاہر کر رکھا ہی۔ پچھلا زمانہ کسی عجیب چیز کو بطور راز کے پوشیدہ رکھنا چاہتا تھا، لیکن مغربی دنیا عام طور سے اس راز کو ظاہر کر رہی ہی۔ ہمارے دامانِ آرزو میں ان پر بہار پھولوں کے رکھنے کی سمائی نہیں۔

دامانِ نگہ تنگ و گلِ حسنِ تو بسیار

گلچینِ بہارِ توز داماں گلہ دارد

(۸) بگھی، فلٹ، موٹرکار، بائیسکل، گراموفون وغیرہ کیسی عجیب چیزیں ہیں جو اسوقت کے خصوصیات میں سمجھی جاسکتی ہیں۔

(۹) انگریزی قوانین ایک برکت ہیں جن کے ذریعہ سے ایک غریب آدمی بڑے سے بڑے زبردست کا مقابلہ کرسکتا ہی۔

(۱۰) قدیم زمانہ کی شاہراہوں کے نقوش مٹ گئے صرف مسلمان بادشاہوں کیوقت کی بعض سڑکیں باقی ہیں۔ ان میں پشاور سے کلکتہ تک شیر شاہ کی سڑک یادگار ہی۔ مگر عہد انگلشیہ میں سڑکوں کی وہ کثرت ہوئی اور سیاحوں، مسافروں اور سوداگروں کے لئے وہ انتظام کئے گئے جو اپنی نوعیت میں بےمثل ہیں۔

(۱۱) انگریزی عہد میں نہروں کے سلسلہ نے خاص وسعت پیدا کی ہے جس سے کاشتکاری کو بہت کچھ نفع پہونچا ہی۔

(۱۲) انگریزی کارخانوں پر نگاہ کیجئے تو وہ ان حصوں کی آبادی کا ذریعہ بن رہے ہیں اور

ہم کو عملی طور سے ہر کام کی تعلیم حاصل کرنے کا ذریعہ پائے جاتے ہیں لیکن خود ہم اُن سے مفید سبق حاصل نہ کر سکیں تو اُن کا قصور نہیں۔

(۱۳) نمایش گاہوں میں انگریزی عہد کے برکات کا سلسلہ علی الترتیب اپنی عظیم الشان دولت صنعت و حرفت اور طاقت کا اظہار کر رہا ہے۔

(۱۴) مغربی علوم کے عجائبات کو ہم نے جس نادیدہ نگاہ سے دیکھا اور اُن کی برکتوں سے جس حد تک ہم مستفیض ہوئے اسکا ہم کو اعتراف ہے۔

(۱۵) پچھلے زمانہ میں دیسی مکاتب اور مدارس کا وجود پایا جاتا ہے جس کے قدیم نمونے اب تک جابجا باقی ہیں لیکن عہد برطانیہ میں تعلیم نے جو رواج عام پایا ہے یہ اس دور کے خصوصیات میں ہے۔

(۱۶) انگریزی شفاخانوں نے پبلک کی حفظِ صحت اور تندرستی میں نمایاں حصہ لیا ہے اور ڈاکٹری کی نئی نئی تحقیقاتوں نے ہم کو وہ باتیں بتائیں اور ایسی اُستادیاں دکھائیں جو اعجاز مسیحائی کا نمونہ ظاہر کرتی ہیں۔

اسی طرح بہت سی باتیں جو عہد انگلشیہ کی تاریخ میں تھوڑے غور و مطالعہ سے دریافت ہو سکتی ہیں۔ پریس کی ترقیات نے علمی دنیا کو بیحد شکر گذار کیا ہے۔ عام آزادی کا حق ہم عہد برطانیہ میں حاصل کر سکے ہیں۔ اور گو وہ تھوڑے زمانہ سے بیم و رجا کی حالت میں ہو لیکن گورنمنٹ کے طبعی میلان سے ہم کو حقوقِ آزادی کی نسبت کوئی خوفناک مایوسی نہیں۔

میں نے اوپر انگریزی گورنمنٹ کے چند نمایاں برکات کا ذکر کیا ہے۔ اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ صرف گورنمنٹ کی شکر گزاری کا اظہار کیا جائے۔ اس کی نمایشیں تو بات بات سے ظاہر ہو رہی ہیں میرا مطلب یہ ہے کہ ہندوستان اُس کی تمام برکتوں سے جائز حصہ پانیوالا ہوا اور ہندو مسلمان دونوں جیسے اپنا اپنا ٹکٹ لیکر ریل اور ٹرام پر سوار ہوتے ہیں ویسے ہی اپنی ضرورتوں اور مصلحتوں کے لئے ایک پلیٹ فارم پر نظر آئیں اور اپنے مشرقی اخلاق و آداب کو

جو ابتک عام خاندانوں میں باقی ہے بھولے ہوئے سبق کیطرح پھر یاد کرلیں ۔ شعر

میں وہی آپ وہی شوق وہی، دل وہی
آپ چاہیں تو ابھی گرمیِ محفل ہے وہی

آپ دیکھیں تو آپ کے مشرقی ادب نے آٹھ سو برس تک ہندو اور مسلمانوں کے تعلقات کو باوصف ایک روحانی مغائرت کے کسی عمدہ حالت میں قایم رکھا۔ جب آپ ہندوستان کے والیانِ ملک، امیروں یا دوسرے اہلِ کمال وارباب سوال کے طرزِ ادب اور مسلمان بادشاہوں اور وزیروں کے طرز مقال اور انداز کلام سے نتیجہ پیدا کرنا چاہینگے تو ہر تحریر اور ہر فرمان سے آپ کو ایک خاص رہنمائی محسوس ہوگی۔ اسکے بعد دو سو برس تک انگریز مدبرین نے جس دانشمندی سے مشرقی ادب کو اپنے ساتھ رکھا اُس کے نتایج علانیہ روزِ روشن کیطرح ظاہر ہو رہے ہیں۔ زاں بعد جب سے مغربی لٹریچر کے شاہنشاہی جبروت نے مشرقی ادب کو اپنی شہزوری سے دبانا چاہا اُسی وقت سے طرفین کے طبایع میں ایک نئی اُمنگ کی بنیاد قایم ہوئی جو ہمارے حسب حال نہیں۔

پس ہماری فلاسفی کا راز ہمارے مشرقی ادب میں پوشیدہ ہے۔

ایلورا کے غار[1]

ایلورا اور اجنٹا کے غاروں کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کیسی بے مثل صناعی سے پہاڑوں کو تراش کر اُن میں کئی کئی منزلیں نکالی گئی ہیں، کیسی کیسی تصویریں اور مورتیں بنائی گئی ہیں اور کیسے لاثانی نقش ونگار سے ہر درجہ کو آراستہ کیا گیا ہے۔ سنگ تراشی کے کیسے کیسے عجیب و غریب کمالات ظاہر کیے گئے ہیں جن میں کروروں روپے کی دولت صرف ہوئی ہوگی۔ لفظوں کے ذریعہ سے اُن کی صنعت و کمال کو نہیں دکھایا جا سکتا۔ انگریزی اقوال میں مذکور ہے کہ دنیا میں سات عمارتیں لاثانی ہیں لیکن یہ اُس وقت کا خیال ہے جب انگریزی قوم نے ایلورا اور اجنٹا کے غاروں کی سیر نہیں کی تھی، ورنہ ان کو بھی اُنھیں عجائبات میں داخل کرکے سات کی جگہہ نو کہا جاتا۔

اہرام مصر کے ساتھ ان غاروں کی خانقاہوں اور پرستش گاہوں کو مقابلہ کرکے دیکھا جائے تو اِن کی عظمت، استحکام اور فن تعمیر کے کمالاتِ سنگتراشی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ یہاں یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہنا چاہیئے کہ دنیا کی اور بڑی بڑی یادگاریں بادشاہوں نے اپنے لئے بنوائیں یا کسی بادشاہ کی یادگاریں بنائی گئیں مگر ہندوستان کی یہ یادگاریں خوش عقیدہ راجاؤں یا دولتمندوں نے فقیروں کے لئے وقف کیں۔

یہ ہیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا

جس ٹیلے پر یہ غار واقع ہیں اُس کی شکل ہلالی ہے۔ مسٹر فرگوسن اجنٹا اور ایلورا کے غاروں کا مقابلہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ از روئے علم تعمیر ایلورا کے غار اجنٹا کے غاروں سے اختلاف رکھتے ہیں کہ کیونکہ یہ ٹیلے پہاڑ کے ڈھلوان طرف بنے ہوئے ہیں۔ تقریبًا ایک عمودی ٹیلہ پہ زمین کی اس طرح بناوٹ سے تمام ایلورا کے غاروں کے سامنے صحن ہیں اور علاوہ اس کے

---

[1] مطبوعہ رسالہ ادیب الہ آباد بابت ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۱۰ء (جلد ۲ نمبر ۴)

چٹان کے باہر اکثر غاروں کی دیوار بھی ہے اور دروازے بھی۔ لیکن باوجود اس کے وہ باہر سے بالکل نظر نہیں آتے اور جبتک لوگوں کو اُنکی کیفیت سے آگاہی نہو وہاں سے گذرتے ہوئے کبھی اُن کو یہ خیال بھی نہیں ہوسکتا کہ وہاں اندر کے چوک میں وہ خوش آیند ستون ہیں جو دیکھنے والوں کو معلوم نہیں ہوتے اور نہ اِن پر اُنکی نظر پڑتی ہی۔

ایلورا کے غار بہت بڑے پہاڑی مندروں پر مشتمل ہیں۔ ان میں تین گروہ کے مندر ہیں: بودھ، برہمن، جین تینوں کی تعمیریں نہایت عمدہ ہیں اور ان میں قابل دید صناعی کے نمونے پائے جاتے ہیں۔ ایلورا کا قیصۂ قلمرو نظام (خلد اللہ ملکہ) میں اورنگ آباد سے شمال و مغرب جانب چودہ میل پر واقع ہی۔ پہاڑ کے ایک بڑے ٹیلے کے ڈھالوان پہلو میں یہ غار کھودے گئے ہیں، جن کی قطار شمال و جنوب میں سوا میل تک لمبی چلی گئی ہی۔ جنوبی حصہ میں سولہ غار بودھ لوگوں کے ہیں اور شمالی جانب اتنے ہی غار برہمن اور جین مذہب کے ہیں۔ بودھ لوگوں کے غار سنہ ۳۵۰ء سے سنہ ۵۰۰ء تک کے بنے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔

غار نمبر ۱

یہ ایک چھوٹی سی خانقاہ ہے جو غالباً بہت قدیم زمانہ کی ہی۔ اس میں جوگیوں کے لئے حجرے بنے ہوئے ہیں۔ یہ خانقاہ اندر اندر غار نمبر ۲ سے ملی ہوئی ہی۔

غار نمبر ۲

یہ ایک بہت بڑا غار ہے۔ اس میں وسیع پرستش گاہ بنی ہوئی ہے اور اُس کے سامنے شہ‌نشین ہیں۔ یہاں مہاتما بدھ کی ایک بہت بڑی مورت رکھی ہوئی ہے جسمیں وہ شیر ببر کے تخت پر بیٹھا ہوا ہے۔ اُس کے دہنے بائیں دو فرشتوں، اُس کے خدمتگاروں اور خدمتگار عورتوں کی مورتیں ہیں۔ اس غار کے اکثر مقامات، تمام در و دیوار اور پرستش گاہوں کے سامنے کا حصہ بدھ کی مختلف شکلوں اور دوسری مورتوں اور تصویروں سے بھرا ہوا ہے۔ اس غار کی تاریخ کو روشنی میں لانا سخت مشکل ہی۔ اس کی تعمیر شاید تیسری صدی عیسوی میں

شروع کی گئی اور چھٹی صدی میں تمام ہوئی۔

غار نمبر ۳

اس کے اور غار نمبر ۲ کے درمیان پانی کا ایک منہدم حوض ہے۔ یہ غار بھی ایک خانقاہ ہے جو تکمیل کو نہیں پہونچی۔ اس کی چھت کے نیچے بارہ مربع ستون ہیں پرستش گاہ میں بدھ کی ایک مورت ہے جس کو تخت پر بٹھلایا گیا ہے اور معمولی خدمت گار اُس کے دونوں طرف کھڑے ہیں۔ اُس کے سر پر فرشتے ہیں۔ اُس تخت کو دو ہاتھی اُٹھائے ہوئے ہیں۔ تخت کی سیدھی طرف اُن مورتوں کی ایک قطار ہے جو مصروف پرستش ہیں۔

غار نمبر ۴

اس کا اکثر حصہ منہدم ہو گیا ہے۔ اس کی پرستش گاہ میں بدھ کی ایک مورت ہے اُس کے سر پر ایک ہالہ ہے۔ وہ مورت تخت پر بیٹھی ہے اور خدام اپنے فرائض ادا کر رہے ہیں ایک حسن کی دیوی مالا جھپ رہی ہے۔

غار نمبر ۵

یہ ایک بڑی خانقاہ ہے۔ اس کے بیچ میں ایک وسیع دالان ہے۔ چھت کے نیچے ۲۴ مربع ستون ہیں۔ اس غار میں جوگیوں کے لئے بہت سے حجرے بنے ہوئے ہیں اور ستونوں کے درمیان دو لمبی قطاریں سنگا ہوں کی ہیں جو کھانے یا اُن پر بیٹھ کر پڑھنے کے کام آتی ہوں گی۔ اسکی پرستش گاہ میں بدھ کی ایک مورت بنی ہوئی ہے۔

غار نمبر ۶

یہ غار سیڑھیوں کے ذریعہ سے غار نمبر ۵ سے ملا ہوا ہے۔ اس میں چند حجرے ہیں جن میں ایک مورت خوبصورت عورت کی ہے۔ اُس کے بازو میں ایک مور ہے اور

اُس کے نیچے ایک پنڈت کچھ پڑھ رہا ہے۔ پرستش گاہ میں بدھ کی ایک بڑی مورت مع اس کے ملازموں کے ہے۔

غار نمبر ۷

یہ ایک نامکمل خانقاہ ہے جس میں آٹھ حجرے ہیں اور چھت کے نیچے چار ستون۔

غار نمبر ۸

اس میں سے غار نمبر ۷ کو راستہ جاتا ہے۔ اس غار کی پرستش گاہ میں بُدھ کی ایک مورت ہے، اور بدھ کے پوجاریوں، خدمت گاروں، خدمتگزار عورتوں اور فرشتوں کی شکلیں نمایاں کی گئی ہیں۔

غار نمبر ۹

غار نمبر ۸ اور غار نمبر ۷ سے اس کو اندر اندر الحاق ہے۔ اس میں بدھ کی ایک بیٹھی ہوئی مورت مع معمولی ملازموں اور فرشتوں کے ہے۔

غار نمبر ۱۰

اس غار کے سامنے چوک کے اطراف برآمدے ہیں جس کے ستونوں میں بہت سی مورتیں تراشی گئی ہیں۔ اس غار میں ایک بڑی اونچی چوکی ہے، اُس پر بُدھ کی مُورت بیٹھی ہوئی ہے۔ یہ مورت گیارہ فٹ اونچی ہے۔ آس پاس اُسکے معمولی خدمتگار اور سر پر ایک جھاڑ تراشا ہوا ہے۔ اس غار میں ایک ستون پر تاریخ کھُدی ہوئی ہے۔ شاکا سنہ ۱۲۲۸ جو سنہ ۱۳۰۶ء کے مطابق ہے۔

غار نمبر ۱۱

یہ دو منزلہ غار ہے اور سنہ ۶۰۰ء کا بنا ہوا کہا جاتا ہے۔ اس کے نیچے ایک تیسری منزل نکلی ہے جو مدت سے دبی پڑی تھی۔ اس میں ایک لمبا برآمدہ ہے، جس میں دو حجرے ہیں

اور ایک پرستش گاہ۔ پرستش گاہ میں بدھ کی مورت مع خدمتگاروں کے بنائی گئی ہے۔
دوسری منزل پر بھی ایسا ہی برآمدہ ہے، جس کے پیچھے کی طرف پانچ دروازے ہیں
ان میں سے دوسرا دروازہ ایک پرستش گاہ کو جاتا ہے، جہاں بدھ کی ایک بڑی مورت
ہی، جو تخت پر چارزانو بیٹھی ہوئی ہے۔ اسی طرح اس غار اور پرستش گاہ کے مناسب
مقامات پر بدھ اور اس کے خدمت گاروں اور خدمت گزار عورتوں کی مورتیں
کثرت سے بنائی گئی ہیں۔

غار نمبر ۱۲-۱۳-۱۴

ایسے عجائبات سنگ تراشی، نقش و نگار، پوشیدہ راستوں، حجروں اور مہاتما
بدھ کی مورتوں اور دوسری مورتوں سے بھرے پڑے ہیں۔ کس کس کی تعریف کیجئے
اور انکی خوبیوں کو قلم کے ذریعہ سے کیونکر دکھایا جائے!

غار نمبر ۱۵

اس کا نام "دس اوتار" ہے اور ٹیلے کے اوپر واقع ہے، جس پر چڑھنے کے لئے
زینے کھدے ہوئے ہیں۔ اس میں بہت سی پرستش گاہیں مع ایک پانی کے حوض کے
ہیں۔ نیچے کی منزل میں شیو، وشنو، پاروتی، بھوانی اور گنپتی کی بہت سی مورتیں ہیں اور
اوپر کی منزل میں ایک بڑی تعداد شیو کی مورتوں کی ہی۔ ان میں سب سے زیادہ عجیب مہادیو
کی غضب آلود مورت ہی۔ جنوبی دیوار میں اوتار کی شکلیں دکھائی گئی ہیں۔ غار کیا ہے
ایک تاریخ کا نمونہ ہی!

غار نمبر ۱۶

اس غار کا نام "کیلاس" یا "رنگ محل" ہی۔ یہ ایک بہت بڑا اور ایک ہی پتھر میں تراشا
ہوا مندر ہی جس کو حیرت خانہ کہہ سکتے ہیں۔ اسکی لمبائی ۲۰۰ فیٹ اور چوڑائی ۱۵۰ فیٹ ہے۔

درمیانی حصے نہایت اعلیٰ درجہ کے نقش ونگار سے مزین کئے گئے ہیں، جو اکثر اسوقت تک اپنی حالت پر برقرار ہیں۔ مندر میں بڑے بڑے ہاتھیوں، شیروں اور سیمرغوں کی عمدہ عمدہ مورتیں ہیں۔ کوئی چر رہا ہے، کوئی ایک دوسرے کو پھاڑ رہا ہے۔ اُس کے اوپر دالان ہی۔ دالان میں سترہ ستون انواع واقسام کے نقش ونگار سے اُس وقت کا کمالِ صنعت ظاہر کرتے ہیں۔ اُس کے جانبین کے سائبانی برآمدے، اُس کا گنبددار خیمہ، اُس کی ڈیوڑھی اور اُس کے پانچ معبد جو بڑے مندر کے باہر چار طرف ایک ہی چبوترے پر ہیں اس بات شہادت دے رہے ہیں کہ اُس کو اس غرض سے بنایا گیا ہی کہ اُس کے پیشتر جتنے ایسے غار بنے ہوئے ہیں اُنھیں مات کردے اور اُن سب پر فوقیت لیجائے۔ داخلی دروازہ پر لکشمی کی ایک بڑی مورت ہی جو کنول کے پتّوں پر بیٹھی ہوئی ہی جنوبی زینہ کے شمال وجنوب کی دیواروں پر راماین اور مہابھارت کے بیانات کیصورتیں ظاہر کی گئی ہیں۔ اس کے پیچھے مندر کا نیچا درجہ سات ہاتھیوں اور شیروں کی مورتوں کے ساتھ بنا ہوا ہی۔ جنوبی برآمدہ کے (جو ۱۱ فیٹ لمبا ہی) بارہ حصے ہیں اور ہر ایک حصہ میں عجیب وغریب تراشیں اُسوقت کی صنّاعی کا تماشا دکھاتی ہیں۔ دالان کے مشرقی کنارہ پر معبد واقع ہی۔ اُس کے پیچھے جو چبوترہ ہے اُس پر سے مندر کی لاٹ اُٹھی ہوئی معلوم ہوتی ہے، جو تقریباً سو فیٹ اونچی ہے۔ یہ لاٹ نیچے سے اوپر تک نہایت عمدہ نقش ونگار سے آراستہ ہی۔ غرض اس عالیشان غار کو مذہبی خیالات کا قابلِ دید نمونہ بنایا گیا ہے جسمیں اَن گنتی تصویریں اور مورتیں نظر آتی ہیں۔ ہر ایک منزل میں حیرت انگیز صناعی کا اظہار کیا گیا ہے جو دیکھنے ہی سے تعلق رکھتی ہے۔ اُس کے نکات اور معنوی خوبیوں کو ایک بڑا پنڈت ہی سمجھ سکتا ہی بلکہ ممکن ہی کہ اسوقت کا اعلیٰ سے اعلیٰ پنڈت بھی بعض مفہومات کے سمجھنے سے عاجز ہوں۔

غار نمبر ۱۵

یہ غار شیو کا مندر ہی۔ اس میں بارہ ستون ہیں اور ایک پرستش گاہ۔ مندر کے برآمدہ میں منقش

طاق ہیں جن میں برہما، وشنو اور اُن کے ملازموں کی مورتیں ہیں۔

غار نمبر ۱۸-۱۹-۲۰

یہ تین چھوٹے چھوٹے غار ہیں۔ ان میں سے کسی میں دلچسپ نقش و نگار نہیں، بلکہ وہ صرف گوشہ گزینی و عبادت سے مخصوص معلوم ہوتے ہیں۔

غار نمبر ۲۱

اس کا نام "رامیشور" ہے۔ اس کا دالان بہت لمبا ہے اور اس کے ہر ایک کنارہ پر ایک پرستش گاہ ہے، جس کے اطراف کالی، گنیش، شیو اور پاروتی کی مع اُن کے خدمتگاروں اور قوالوں کی مورتیں بنی ہوئی ہیں۔

غار نمبر ۲۲-۲۳-۲۴-۲۵-۲۶

ان میں برہما اور گنیش کی تصویریں اور مورتیں، اور معمولی پرستش گاہیں بنی ہوئی ہیں بعض کے نشانات منہدم ہو گئے ہیں۔

غار نمبر ۲۷-۲۸

ان میں سے پہلے غار میں وشنو کا مندر ہے۔ اس میں وشنو لکشمی اور برہما کی مورتیں ہیں اور دو حجروں اور معبدوں کے آثار باقی رہ گئے ہیں۔

غار نمبر ۲۹

یہ غار جس میں ایک بڑا دالان ۱۵۰ فیٹ مربع ہی بہت سے نقش و نگار سے آراستہ ہی۔ اس میں شیو اور پاروتی کی شادی کا نقشہ دکھایا گیا ہی۔

اس سلسلہ کے آخر میں جین کے تین غار ہیں جنھیں "اندر سبھا" کہتے ہیں۔ یہ غار دو منزلہ ہیں اور ایک چھوٹا سا غار مع اُس کے متعلقات کے ہی۔ اِن میں کے پہلے غار میں پارس ناتھ ایک سات سر کے سانپ، مہاویر اور جین دھرم کے ترتن کہاروں کی مورتیں ہیں اندر ایک جھاڑ کے نیچے ایک ہاتھی پر بیٹھا ہوا ہے اور صحن میں ایک بہت بڑے ہاتھی کا

مجسمہ بنایا گیا ہے۔ اوپر کی منزل میں بڑ اور آم کے درختوں کے جھنڈ ہیں۔ اندر اور اندرانی کی بڑی بڑی مورتیں ہیں اور بیشمار طاق ہیں جن میں جین لوگوں کی مذہبی تصویریں ہیں۔ صحن کے برآمدے میں چند عبارتیں کندہ ہیں مگر پڑھی نہیں جاتیں۔ حروف کنڑی ہیں اور آٹھویں صدی سے تعلق رکھتے ہیں۔

ٹیلے کے اس حصہ میں جین لوگوں کے اور غار بھی ہیں جو کم و بیش منہدم ہو گئے ہیں اور اُن میں دوسرے غاروں کے مقابل کوئی خاص دلچسپی اور نقش و نگار کی صنعت نہیں کہ خصوصیت سے اُن کا ذکر کیا جائے۔

فلسفۂ مذہب[1]

یہ کہتے ہیں دانائے اسرار نیچر کہ ہو ایک سے دوسرا جلوہ گستر
ہے پانی سے مٹی تو مٹی سے پتھر ہوں پانی بخاراتِ ارضی نکلکر

رگڑ سے ہوئی آگ عالم میں پیدا
ہی اسٹیم میں اُس کی طاقت ہویدا

اسی طرح چلتے چلے جاؤ اوپر ملیں گے پتے تم کو ایسے ہی یکسر
مگر دُور پہونچو گے جب یاں سے چلکر تو ہو جائیگی عقل حیران و ششدر

نہ نکلے گا واں کام عقلِ بشر سے
نہ سمجھوگے اُس کو نہ دیکھو نظر سے

خدا نے کیے ہیں عناصر جو پیدا ہیں ترکیبِ اجسام کے چند اجزا
اگر ہم بنائیں کوئی ان سے پتلا بنے گا نہ ہم سے کبھی ایک بھنگا

بس اب جان لو یہ کہ صنعت ہے کس کی؟
بشر جس سے عاجز وہ حکمت ہے کس کی؟

اگر آپ سے آپ ہم بن بھی جاتے عناصر سے اجسام ترکیب پاتے
مگر یہ حواس و خرد کیسے آتے جو یوں مغز سر اور دل میں سماتے

بتاؤ یہ ادراک کس نے دیا ہے؟
تماشائے عالم یہ کس نے کیا ہے؟

خدا ہے وہی عقل میں جو نہ آئے وہی اپنی قدرت کو سب میں دکھائے
اُسی نے ہیں یہ چاند سورج بنائے اُسی نے ہیں یہ غنچہ و گل کھلائے

[1] مطبوعہ رسالہ ادیب فیروزآباد ضلع آگرہ۔ بابت ماہ مئی و جون ۱۸۹۹ء (جلد نمبر ۶، ۵)

اُسی نے یہ اجسام کو روح دی ہے
اُسی سے یہ ارواح میں آگئی ہے

جو ہے نفس ناطق ہمارا تمہارا
جسے روح کہتے ہیں عالم میں دانا
جو ہے سب حقایق کا ادراک کرتا
سمجھتا ہے جو خوب اپنا پرایا

توسّل وہ رکھتا ہے قرب خدا سے
مدارج ہیں حاصل اُسے کبریا سے

ہے ادراکِ خالق سے لاچار دنیا
ہے ما فوق عقلِ بشر ذاتِ والا
منابع سے کب ہیں خبردار دریا
نہ جانے کوئی ذرہ تعریفِ صحرا

خبر آگ کو کیا وہ آئی کہاں سے
ہوا کو خبر کیا چلی وہ جہاں سے

جمادات کیا ہیں؟ یہی خاک پتھر
ہوں الماس و یاقوت یا لعلِ احمر
ہو چاندی کہ سونا، ہو مٹی کہ کنکر
موثر ہے ان سب میں ترکیبِ نیچر

حرارت برودت رطوبت یبوست
بنائے انھیں حسبِ فرمان قدرت

مری آنکھ سے دیکھ بندے خدا کے!
بتوں میں جو آئیں نظر اُس کے جلوے
نشاں ذرّے ذرّے میں اُسکے ہیں ملتے
جُدا سب کی صورت جُدا سب کے سانچے

ہے ہر ذرّہ سورج سے آنکھیں لڑائے
کوئی ایک ذرہ تو ایسا بنائے!

نباتات میں ہر شجر کے ہے لب پر
کہ خالق مرا ہے خداوندِ اکبر
ہے ہر نخل خالق کی قدرت کا دفتر
ہے ہر برگ میں صنعتِ خاص مضمر

کریں جذب اجسام میں حسبِ عادت
حرارت، برودت، رطوبت، یبوست

کھڑا ہے وہ دیکھو جو نخلِ تناور وہ چھوٹے سے اس بیج میں ہے سراسر
یہ صنعت ہے کس کی کرو غور دم بھر کہ اس بیج میں آگیا وہ سمٹ کر

ذرا بڑ کو تم بیج میں پڑ کے دیکھو
اثر پتّے پتّے میں تم جڑ کے دیکھو

درختوں کے نر مادہ کا کام دیکھو توالد کا اُن کے سرانجام دیکھو
کہیں نطفہ و شکلِ ارحام دیکھو کہیں خاص قدرت، کہیں عام دیکھو

کرو غور سرِّ نہانی میں اُن کے
بڑھاپے، لڑکپن، جوانی میں اُن کے

کہیں مادہ سے نر ملاتا ہے جوڑا رہے رحم میں نطفہ مادہ کے نر کا
کہیں رحم میں نطفہ سے جائے کیڑا ہوا سے کہیں اُڑ کے پہونچے وہ نطفا

بتاؤ تو یہ کارسازی ہے کس کی؟
زمانہ میں یہ پاکبازی ہے کس کی؟

کہیں تخم بونے سے نکلے زمیں پر کہیں بیل پھیلے درختوں پہ یکسر
کہیں ہوئے شاخِ قلم بار آور کہیں شاخِ پیوند ہو سایہ گستر

بدن میں جو انساں کے ترکیب دیکھو
شجر میں وہی حُسنِ ترتیب دیکھو

نباتات کے بعد حیواں کو دیکھو بناوٹ میں ترکیب انساں کو دیکھو
ہرن اور شیرِ نیستاں کو دیکھو مگر اور ماہی و سرطاں کو دیکھو

طیور و وحوش، اور سباع و بہایم
چرندو پرندو عزایم غنایم

عیاں سب ہے صنعتِ حق کی قدرت کہو تم خدا یا لکھو اُس کو فطرت
ہے ہر شے میں اُس کی نمودار صنعت ہے ہر فرد اُس کی خدائی پہ حجت

وہ صانع، وہ خالق، وہ مالک ہے سبکا
اُسی سے عیاں جلوہ ہے روز و شب کا

جہاں آئینہ، ہم ہیں تصویر اُس میں — خدا کی ہی صنعت سے تنویر اُس میں
ہزاروں صنایع ہیں تحریر اُس میں — ہے جلوہ فزا رنگ تقدیر اُس میں

مٹے شکل یا اُس کا آئینہ ٹوٹے
مصوّر کا اُس سے تعلق نہ چھوٹے

یہ فوٹوگراف اور یہ تار برقی — جو ہیں معجزاتِ کمالاتِ علمی
یہ ساری کلیں جو ہیں ناز ترقی — ہوں منسوب اُس سے، ہیں ایجاد جسکی

جو موجد ہیں ان کے وہی حق نما ہیں
جُدا جو ہوں اُن سے وہ حق سے جُدا ہیں

ہی آواز کی چال تم سب نے دیکھی — ہوا کی ہے رفتار چلنے میں آندھی
چراغ اور سورج کی ہے چال برقی — گرج کی صدا سے چلے جلد بجلی

مگر کتنے سیارے پاؤگے ایسے
جو بجلی سے ہیں سیکڑوں درجہ آگے

ہی انسان کو دی خدا نے وہ طاقت — ملی ہے نفوسِ بشر کو وہ قدرت
جو سب سے زیادہ ہے سرگرمِ سرعت — ہے دل کے خزانہ میں یہ سب امانت

اِدھر ہم نے سوچا اُدھر ہم نے پایا
تصوّر خدا تک گیا اور آیا

سُنا شہری سے جو تم نے برادر — کرو اُس کے مطلب کو تم یاد ازبر
خدا نے کیا سب کو پیدا برابر — وہ ہر ایک مذہب میں ہے پاک و برتر

خدا کو ہر اک حال میں یاد رکھنا
مری جاں! مری روح کو شاد رکھنا

مشرقی ادب[1]

اے علمِ مشرقی کے آشفتہ مفاخر! اے علمِ مجلسی کے دانندۂ مظاہر!
اے رحمتوں کے شاکی! اے نعمتوں کے شاکر! اے اپنے آپ ظالم! اے اپنے آپ صابر!
اے میرے پیارے لڑکو! اے سوٹ بوٹ والو!
گر کان ہیں تو سُن لو! اے میرے نونہالو!

اچھی طرح سمجھ لو، جو میں ہوں تم سے کہتا مشرق میں تم ہو رہتے، مشرق وطن تمہارا
مغرب کا بہ رہا ہے، جو اپنی رَو میں دریا موجوں کے ساتھ پہونچے، تہ کا نہ کوئی قطرا
موجوں کے ساتھ چلکر ہرگز نہ کھاؤ غوطے
موتی نکالنے کو، اُس میں لگاؤ غوطے

ممکن نہیں ترقی ہو غیر کی زباں میں تفریح ہو نہ ہرگز غیروں کے گلستاں میں
کیا اختیار ہم کو اغیار کے مکاں میں معنی جدا ہیں پاتے الفاظ ابن قرآں میں
جاپان نے راز اس کا علم بیانمیں سمجھا
سارے علومِ یورپ اپنی زباں میں سمجھا

دنیا میں جتنی باتیں ہوتی ہیں زعم آرا اُن سبکو تم نے اپنے علمِ ادب میں سمجھا
کیمسٹری سے تم نے سب کے نکالے اجزا سب کے مزاج دیکھے ہنگامِ ضبطِ انشا
القاب بھی بنائے آداب بھی بنائے
اُنکے اثر سے سارے اپنے ہوئے پرائے

---

[1] مطبوعہ رسالہ ادیب الہ آباد بابت ماہ اپریل سنہ ۱۹۱۱ء (جلد ۱ نمبر ۴) ادیب میں اس مسدس کی سرخی "مشرقی ادب کی تائید" تھی۔ مگر "اُولڈ بوائے" جلد دوم بابت سنہ ۱۹۱۱ء میں اسی کو میں نے زیادہ مکمل حالت میں عنوان بالا سے شایع کیا تھا۔ یہاں بھی پورا مسدس درج کیا جاتا ہے۔ سید منظر علی

اپنی زباں میں لائے تم دہر کے حقایق ۔۔۔ تم ترجموں میں نکلے دنیا سے بڑھ کے لایق
ہر شے کے تم سے تھے جویا، ہر چیز کے تھے شایق ۔۔۔ آخر ہی جہاں میں بڑھ چڑھ کے سب پہ فایق

ہر ایک علم و فن میں اپنا ادب بھولے
تم سے پھلے گلستاں، گلزار تم سے پھولے

ہو سنسکرت بھاشا، یا پارسی و تازی ۔۔۔ ہو صورتِ صفاہاں، یا پیکرِ حجازی
ہو جلوۂ حقیقی، یا عشوۂ مجازی ۔۔۔ ہے رنگ سب میں یکساں، یکساں ہے رنگ سازی

جو بات جس زباں میں دیکھوگے تم ادب کی
ہے قفل ایک اُن کا، کنجی الگ ہے سب کی

شیراز میں تھے رہتے، یا ساکن عرب تھے ۔۔۔ مسکن کہیں ہو لیکن مجموعۂ ادب تھے
نسخے شفا کے بنتے، ملتے کہیں جو لب تھے ۔۔۔ اس مدرسہ میں جو تھے، حکمت مآب سب تھے

پچھلے ادب میں اپنے آدابِ شاہ دیکھو
چلتی ہے کس طرح سے یہ شاہراہ دیکھو

ہر مشرقی ادب میں اک فلسفہ ہے پنہاں ۔۔۔ دیکھو عجم کے شقّے، دیکھو عرب کے فرماں
حکام کے عرایض دیکھو بنام سلطاں ۔۔۔ جنگل نہ جانو اس کو سمجھو اسے گلستاں

اُس سے ادب نکالو، ماخذ اُسے بناؤ
جو بڑھ گیا گھٹاؤ، جو گھٹ گیا بڑھاؤ

سمجھو جو ایشیا میں ہر قوم کا ادب ہے ۔۔۔ جو جاں کنی سے اپنی افسوس جاں بلب ہے
آپس کی دوستی کا جو اک بڑا سبب ہے ۔۔۔ جو اولڈ فیشنی سے مطعون روز و شب ہے

بگڑے ہماری صد ہا کام اُسنے تھے بنائے
بے شبہ اُس ادب نے اپنے کیے پرائے

انگلش مذاق تم کو آئے نہ راس اصلا ۔۔۔ ممکن نہیں کہ ہوئے دونوں کا ایک منشا
وہ ملک کے ہیں مالک، تم اُن کی ہو رعایا ۔۔۔ مفتوح کا مساوی درجہ ہوا نہ ہوگا

طاقت تو پہلے کر لو ہاتھوں میں بلبُل کی
پھر سب نکال لینا جو آرزو ہو دل کی

مفتوح اور فاتح رکھتے ہیں اک تفاوت — ہرگز نہ ایک ہوں گے کمزور و اہل طاقت
ہر ملک کے خصائص رکھتے ہیں خاص عادت — یکساں کرے نہ سب کو دنیا میں زور فطرت

سیّاح کو جہاں کی کرنا ہے سیر ممکن!
دریا کے دو کنارے ہوں ایک غیر ممکن!

جو چاہے کچھ اثر ہو، لفظوں سے اُسکے پیدا — تحریر سے جو چاہے پورا ہو اُس کا منشا
تقریر سے جو کرے، دشمن کو دوست اپنا — باتوں سے جو کہ چاہے ہو موم سنگ خارا

وہ نسخۂ ادب کو ہر وقت پاس رکھے
اللہ کی مدد کی ہر وقت آس رکھے

گر چاہتے ہو دل میں غیروں کے گھر بنانا — گر چاہتے ہو اپنا اُجڑا محل بسانا
منظور ہے جو تم کو قسمت کا آزمانا — گر چاہتے ہو ظاہر تم سے ہو فعل دانا

تو یاد کر لو اپنے بھولے ہوئے ادب کو
پھر بات دیکھو گے باتوں سے اپنی سب کو

ہر بات میں ادب کو سمجھو تم اپنا رہبر — ہر بات میں ادب کو سمجھو ہے خضر پیکر
یہ تاج ہے تمہارا سر تاج شاہ قیصر — یہ ہے تمہارا بھائی یہ ہے تمہارا نوکر

ہوتے ادب سے دیکھے دنیا میں دوست دشمن
روشن وہ گھر ہے جس میں شمع ادب ہے روشن

معدن پہ تم کھڑے ہو لیکن نہیں سمجھتے — ہوتا ہے لعل کیسا، ہوتے ہیں کیسے ہیرے
معدن سے تم نے پائے بلّور کے ہیں ٹکڑے — تم کو وہ نور سمجھے بلّور ہی کو اپنے

اے کاش! یہ نہ لیتے ہیرے کے بدلے پتھر
لیتے تو چُن کے لیتے یاقوت و لعل و گوہر

مشرق ادب میں رکھتا ہے جداہی فطرت　　اس کو خلاف اُس کے آزادیوں سے نفرت
ہے چاہتی ادب کو ہر ایک کی طبیعت　　چھوٹے بڑوں کے آگے جھکتے برسم عادت
ادنیٰ ہو یا کہ اعلیٰ ہوں دوست یا کہ دشمن
ہیں سب ادب کے جویا رہبر ہوں یا کہ رہزن

اکبر کے نورتن میں علامی اور فیضی　　دونوں ادب کے پتلے گذرے جہانیں نامی
جو بات جس ادب سے پاؤ تم اُن کی لکھی　　تم پہ ہوئی ہے لازم اُردو میں مشق اُسکی
انگلش میں تم کو لازم منشا اُسی ادب کا
تصویریں سو بناؤ لیکن ہو ایک کینڈا

یحییٰ برمکی کے حسنِ ادب کو دیکھو　　سعد اللہ خاں کے لطفِ حسنِ طلب کو دیکھو
جتنے ادیب گذرے لفظوں کو سب کے دیکھو　　کسطرح سر د کرتے جوشِ غضب کو دیکھو
پڑھ جاؤ دل لگا کر آئینِ اکبری کو
دیکھو ادب سے لیکر توقیعِ سنجری کو

تم شاہنامہ لیکر چھانٹو ادب کی باتیں　　اسکو نہ دیکھو اُس میں لکھی ہیں کب کی باتیں
تم دیکھ لوگے اُس میں پاؤگے سبکی باتیں　　اظہارِ غم کی شکلیں لطف و طرب کی باتیں
اُس کے ادب سے پیارو اپنا ادب بناؤ
اُردو میں فارسی کی شانِ ادب دکھاؤ

تازی کے گر نمونے ہو جائیں کچھ میسّر　　اُن کو ادیب سمجھو رکھیو تم اپنے سر پر
ملجائے فارسی میں گر عالمانہ دفتر　　قوموں نے جس ادب کو اپنا کیا ہے رہبر
ان سب کو جمع کرکے مجموعہ اک بناؤ
اپنی زبان میں اپنی وضعِ ادب دکھاؤ

تمام

۵۲۸۴

برائے

علیا حضرت نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ والیہ عالیہ ریاست

بھوپال